قصص القرآن

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی

مترجم

اقبال حیدر حیدری

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب: قصص القرآن

تصنیف: حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی

مترجم: اقبال حیدر حیدری

کمپوزنگ: قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس کراچی

پروف آر چوہدری

ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع: اوّل۔ ۱۴۳۳ھ

قیمت:

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاءاللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''قصص القرآن''، تفسیر نمونہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات کو جمع کیا گیا ہے۔ جو لوگ مکمل تفسیر نمونہ کا مطالعہ نہیں کر سکتے یا چاہتے ہیں کہ کم وقت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا مطالعہ کر سکیں یہ کتاب ان کے لئے ایک مفید تحفہ ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاءاللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کے ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
حرف اوّل	17
تقریظ حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی مدظلہ العالی	18
پیش گفتار	19
چند ضروری نکات	19
انسانی زندگی پر داستان کا اثر	21
انبیاء علیہم السلام کے واقعات	23
حضرت آدم علیہ السلام	23
فرشتوں کا سوال	23
فرشتے امتحان کے سانچے میں	24
آدم علیہ السلام جنت میں	26
ابلیس نے مخالفت کیوں کی	26

عنوان	صفحہ نمبر
بہشت میں قیام	28
شیطان کا وسوسہ	28
حضرت آدم علیہ السلام کو آب حیات کی تمنا	29
شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟	30
جنت سے اخراج	31
آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے	32
آدم علیہ السلام کی بازگشت خدا کی طرف	33
خدا نے جو کلمات آدمؑ پر القا کئے وہ کیا تھے؟	33
آدمؑ کا ماجرا اور اس جہان پر ایک طائرانہ نظر	34
زمین پر سب سے پہلا قتل	34
ظلم کی پردہ پوشی	36
افسوس اپنے اوپر	36

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت ادریس علیہ السلام	37
حضرت نوح علیہ السلام	38
950 سال تبلیغ 7 مومن	38
امامزادوں کو زائرین کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے	39
حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات	40
میں کسی صاحب ایمان کو نہیں دھتکارتا	41
خدائی خزانے میرے قبضہ میں نہیں ہیں	42
کہاں ہے عذاب؟	42
معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ	43
کشتی نوح علیہ السلام	44
کشتی بنا رہے ہو دریا بھی بناؤ	44
آغاز طوفان	45
نوح علیہ السلام کا بیٹا بدکاروں کے ساتھ رہا	46
اللہ کا نام لے کر کشتی پر سوار ہو جاؤ	47
پسر نوح کا دردناک انجام	47
اے نوحؑ تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے	48
اس داستان کا اختتام	49
کوہ جودی کہاں ہے؟	50
حضرت نوح علیہ السلام باسلامت اتر آئے	50
کیا طوفان نوح علیہ السلام عالمگیر تھا؟	51
طوفان کے ذریعے سزا کیوں دی گئی؟	51
جناب نوح علیہ السلام کی بیوی	52
حضرت ہود علیہ السلام	53
شہر اِرم اور شداد کی بہشت	53
حضرت ہود علیہ السلام برادر قوم عاد	53
حضرت ہود علیہ السلام کی بہترین دلیل	54
اے ہود تم ہمارے خداؤں کے غضب سے	
دیوانہ ہو گئے ہو	55
کیوں بت مجھے نابود نہیں کرتے	55
اس ظالم قوم پر ابدی لعنت	56
عذاب الٰہی ایک نحس دن میں	57
کیا ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو	58
حضرت صالح علیہ السلام	58
فاسد اور اسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو	60
قوم صالح کی ہٹ دھرمی	60
کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے	61
اے صالح علیہ السلام ہم تم پر امید رکھتے تھے	62
تم کتنے نحس قدم ہو	62
ناقہ صالح علیہ السلام	63
اگر تم سچے ہو تو عذاب میں جلدی کرو	64
قوم ثمود کا انجام	65
"صیحۃ" سے کیا مراد ہے؟	65
حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے	
والے افراد	66
وادی القری میں نو (9) مفسد ٹولوں کی سازش	66
یہ خالی گھر ان کے ہیں؟	67
حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت	
اسحاق علیہم السلام	68

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرتلاطم زندگی	68
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش	68
دور نبوت	69
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ برجستہ صفات	69
ابراہیم علیہ السلام سب کے لئے نمونہ ہیں	71
شائستہ اولاد	71
آزر سے گفتگو	72
اے ابراہیم تم پر پتھر برساؤں گا	73
آسمانوں میں توحید کے دلائل	77
توحید کی دعوت	78
ہمارے بڑے بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے	79
ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منظر	80
تم یہ بہترین اور شیرین غذا کیوں نہیں کھاتے	81
جناب ابراہیم علیہ السلام نمرودیوں کی عدالت میں	82
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل	83
زود گذر بیداری	84
بت تو بولتے ہی نہیں	85
ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے	86
فرشتوں کی فریاد	87
آگ گلزار ہوگئی	88
بہادر نوجوان	89
ابراہیم علیہ السلام اور نمرود	89
نمرود سے گفتگو	89
بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیمؑ کی ہجرت	90

عنوان	صفحہ نمبر
کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا؟	92
چند اہم نکات	92
اسماعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کو منتقل کرنے کا حکم	93
اسماعیل علیہ السلام قربان گاہ میں	94
شیطانی وسوسہ	95
میری والدہ کو سلام کہنا	96
باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر رونے لگے	97
جبرائیل علیہ السلام کی فریاد تکبیر	98
ذبح عظیم	98
ذبیح اللہ کون ہے؟	99
جناب اسحاق علیہ السلام کی بشارت	99
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر نو	101
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انعام میں امامت ملی	102
ابراہیمؑ کا کن چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا گیا	102
امام کسے کہتے ہیں؟	103
حضرت لوط علیہ السلام	103
قوم لوط کا سب سے بڑا اخلاقی انحراف	104
جہاں پر عفت ایک عیب ہو	105
30 سال سعی و کوشش	106
یہ ہے گناہ گاروں کا انجام	106
صرف ایک خاندان مومن اور پاک	107
حضرت لوطؑ مہمانوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے	108
قوم لوط علیہ السلام آپ کے گھر میں داخل ہوگئی	109
اے کاش میں تم سے مقابلہ کرسکتا	110

عنوان	صفحہ نمبر
اے لوط! آپ پریشان نہ ہوں	111
کیا صبح قریب نہیں ہے؟	111
صبح کے وقت نزول عذاب کیوں؟	112
زیروزبر کیوں کیا گیا	113
قوم لوط علیہ السلام کا اخلاق	113
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافروں کیلئے مثال	114
حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہما السلام	114
داستان عشق یا پاکیزگی کا بہترین سبق	114
قہرمان پاکیزگی	114
حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسلام سے پہلے اور	115
اسلام کے بعد	
احسن القصص	116
امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء	116
بھائیوں کی سازش	117
یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے	118
منحوس سازش	119
کنعان کے بھیڑیے	119
روتے ہوئے جناب یوسف علیہ السلام کو وداع کیا	121
یوسف علیہ السلام کی ہنسی اور ان کا رونا	121
جناب یوسف علیہ السلام برہنہ کنویں میں	122
ذلیل کنندہ جھوٹ	122
مہربان بھیڑیا	123
ایک ترک اولیٰ کے بدلے	124
(1) حضرت یوسف علیہ السلام کی دلکش دعا	125

عنوان	صفحہ نمبر
سرزمین مصر کی جانب	125
جناب یوسف علیہ السلام کو کم داموں میں بیچنا	126
عزیز مصر کے محل میں	126
جناب یوسفؑ کی پاکیزگی کا انعام	127
عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں	127
زلیخا نے ساتوں دروازے بند کر دیئے	128
حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ایک طوفان	129
زوجہ عزیز مصر کی رسوائی	130
شاہد گواہی دیتا ہے	131
شاہد کون تھا؟	132
زوجۂ عزیز مصر کی ایک اور سازش	132
جناب یوسف علیہ السلام کے پاس مصر کی عورتیں	133
مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے	134
تو پھر یوسفؑ سے عشق میں مجھے کیوں ملامت	
کرتی ہو؟	134
اے یوسف علیہ السلام قبول کرلو	135
زندان کی تمنا	135
بے گناہی کی پاداش میں قید	136
زندان کے واقعات	137
قید خانہ یا مرکز تربیت	137
قیدیوں کی تعبیر خواب	138
بادشاہ کے سامنے مجھے یاد کرنا	139
بادشاہ مصر کا خواب	140
بادشاہ کے ساقی نے جناب یوسفؑ کو یاد کیا	141

عنوان	صفحہ نمبر
مصر کا قیدی یا بہترین رہبر	142
یوسفؑ ہر الزام سے بری ہو گئے	142
زلیخا کا اعتراف	143
یوسفؑ، مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے	144
سات سال پُر برکت اور سات سال قحط	146
برادران یوسفؑ مصر پہونچے	146
جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے ایک پیشکش کی	147
آخر کار باپ راضی ہو گیا	148
ایک دروازے سے داخل نہ ہونا	150
بھائی کو روکنے کی کوشش	151
اے اہل قافلہ تم چور ہو	152
اے بنیامین تم نے ہمیں ذلیل کر دیا	153
یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی	154
برادران یوسفؑ کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی	155
بھائی سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے	156
میں وہ الطاف الٰہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے	157
برادران یوسفؑ شرمندہ اور حضرت یعقوبؑ نابینا ہو گئے	158
کوشش کرو اور مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی کفر کی نشانی ہے	158
جناب یوسفؑ نے روتے ہوئے باپ کے خط کو چوما	159
کیا تو وہی یوسفؑ ہے؟	160
آج رحمت کا دن ہے	161
یوسفؑ کی قمیص کون لے کر گیا؟	162
یوسفؑ کی عظمت	162
آخر کار لطف الٰہی نے اپنا کام کر ڈالا	162
قافلہ کنعان پہنچتا ہے	163
1۔ یعقوب نے پیراہن یوسفؑ کی خوشبو کیسے محسوس کی؟	165
2۔ انبیاء کے حالات میں فرق۔	165
3۔ بینائی کیسے لوٹ آئی؟	167
جناب یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر	167
باپ کو سرگزشت نہ سنانا	168
یوسفؑ، یعقوب اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام	169
حضرت شعیب علیہ السلام	169
حضرت شعیب علیہ السلام کی سرزمین ''مدین''	169
قوم شعیب کی اقتصادی برائیاں	170
ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق	170
جناب شعیب علیہ السلام کا جواب	171
ایک دوسرے کو دھمکیاں	172
مدین کے تباہ کاروں کا انجام	174
حضرت موسیٰ علیہ السلام	175
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار	175
ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام	175
جناب موسیٰ علیہ السلام تنور میں	176
دریا کی موجیں گہوارے سے بہتر	177
دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت	178

عنوان	صفحہ نمبر
اللہ کی عجیب قدرت	179
موسیٰ علیہ السلام پھر آغوش مادر میں	180
صرف تیرا ہی دودھ کیوں پیا	181
موسیٰ علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر	183
موسیٰ علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی	184
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سزائے موت	186
مدین کہاں تھا؟	187
ایک نیک عمل نے موسیٰ علیہ السلام پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے	188
حضرت موسیٰ، جناب شعیب علیہما السلام کے گھر میں	190
جناب موسیٰ، حضرت شعیب علیہما السلام کے داماد بن گئے	190
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین ایام	192
وحی کی تابش اول	193
اے موسیٰ جوتی اتار دو	193
موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا	194
انذار و بشارت	196
کامیابی کے اسباب کی درخواست	196
میرا بھائی میرا ناصر و مددگار	197
فرعون سے معرکہ آرا مقابلہ	199
دیوانگی کی تہمت	200
تمہارا ملک خطرے میں ہے	203
ہر طرف سے جادوگر پہنچ گئے	204
جادوگروں کا عجیب و غریب منظر	206
کیا عصا کا اژدھا بن جانا ممکن ہے؟	207

عنوان	صفحہ نمبر
کیا میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے؟	208
ہمیں اپنے محبوب کی طرف پلٹا دے	209
فرعون کی زوجہ ایمان لے آئی	210
جناب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم	211
کہیں موسیٰ تمہارا مذہب نہ بدل دے	212
آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں؟	213
میں تمہیں خبردار کرتا ہوں	214
آخری بات	215
موسیٰ کے خدا کی خبر لاتا ہوں	215
پچاس ہزار معمار برج بناتے ہیں	217
بیدار کرنے والی سزائیں	218
مختلف اور پیہم بلاؤں کا نزول	219
بار بار کی عہد شکنیاں	220
موسیٰ علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں؟	221
جناب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اونی لباس	222
چوتھا مرحلہ انقلاب کی تیاری	223
ہم نے انہیں باہر نکال دیا	224
فرعونیوں کا دردناک انجام	226
اپنے عصا کو دریا پر مار دو	227
اے فرعون تیرا بدن لوگوں کیلئے عبرتناک ہوگا	228
بنی اسرائیل کی گذرگاہ	229
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش	229
ایک یہودی کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا جواب	230
بنی اسرائیل سرزمین مقدس کی طرف	231

عنوان	صفحہ نمبر
جب کامیاب ہوجاؤ تو ہمیں بھی خبر کرنا	232
بنی اسرائیل بیابان میں سرگرداں	232
بنی اسرائیل کا ایک گروہ پشیمان ہوا	233
منّ وسلویٰ کیا ہے؟	234
بیابانوں میں چشمہ ابلنا	235
مختلف کھانوں کی تمنا	236
عظیم وعدہ گاہ	236
دیدار پرودگار کی خواہش	237
حضرت موسیٰ نے رویت کی خواہش کیوں کی؟	238
الواح توریت	239
یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز	239
دو دن میں چھ لاکھ گوسالہ پرست بن گئے	240
گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید ردعمل	241
بے نظیر غصہ	242
اے میری ماں کے بیٹے میں بے گناہ ہوں	242
طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟	244
سامری کی سزا	245
گناہ عظیم اور کم نظیر توبہ	246
اکٹھا قتل	246
خدا کی آیات کو مضبوطی سے پکڑ لو	247
کوہ طور	248
توریت کیا ہے	248
حضرت خضر علیہ السلام	249
حضرت موسیٰ، جناب خضر علیہما السلام کی تلاش میں	250
عرصہ دراز تک جناب خضر علیہ السلام کی تلاش	251
عظیم استاد کی زیارت	252
خدائی معلم اور یہ ناپسندیدہ کام؟	253
کیوں اس بچے کو قتل کر رہے ہو؟	254
اپنے کام کی مزدوری لے لو	255
فراق دوست، زندگی کے سخت ترین ایام	256
ان واقعات کا راز	256
خضر کی ماموریت تشریعی تھی یا تکوینی؟	257
حضرت خضر علیہ السلام کون تھے؟	259
خودساختہ افسانے	260
وہ خزانہ کیا تھا؟	261
اور بنی اسرائیل کی نافرمانی اصحاب سبت، سنیچر کی چھٹی	261
بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا؟	262
بنی اسرائیل کی گائے کا واقعہ	263
بنی اسرائیل کے اعتراضات	264
باپ سے نیکی کا صلہ	265
اور مالدار شخص قارون، بنی اسرائیل کا مغرور	266
چار نصیحتیں	266
قارون کا جواب	267
نمائش ثروت کا جنون	268
کاش ہم بھی قارون جیسے ہوتے	269
قارون کے سامنے زکوٰۃ کا مسئلہ	270
قارون کی شیطانی فکر	270

عنوان	صفحہ نمبر
عذاب الٰہی	271
کیا اچھا ہوا کہ ہم قارون کی جگہ نہ تھے	271
حضرت اشموئیل علیہ السلام	272
طالوت کون تھے؟	273
طالوت نے ملک کی باگ ڈور سنبھال لی	274
طالوت نے اپنی فوج کو چھانٹا	275
داؤد نے جالوت کو مار ڈالا	275
تابوت کیا ہے؟	275
فرشتے صندوق عہد کیسے لائے؟	276
یہ داؤد کون سے داؤد تھے	277
حضرت داؤد علیہ السلام	277
داؤد علیہ السلام کی زندگی سے درس حاصل کریں	277
جناب داؤد علیہ السلام پر الٰہی نعمتیں	277
حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش	279
داؤد علیہ السلام کو پیش آمدہ واقعے کی حقیقت	281
موجودہ توریت کی خرافاتی داستان	281
حضرت سلیمان علیہ السلام	284
سلیمان علیہ السلام کا سخت امتحان	285
سلیمان علیہ السلام کی وسیع حکومت	286
ہواؤں پر قبضہ	286
جنوں پر بھی حکومت	286
شیاطین زنجیروں میں	288
حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں	289
جناب سلیمان علیہ السلام کا جانوروں کی بولی جاننا	290

عنوان	صفحہ نمبر
سلیمانؑ اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں	291
داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا فیصلہ	292
ہدہد اور ملکہ سبا کی داستان	293
ہدہد ایک اہم خبر کے ساتھ	294
حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملکہ سبا کے نام	296
بادشاہ تباہی لاتے ہیں	297
مجھے مال کے ذریعہ نہ ورغلاؤ	298
پلک جھپکتے ہی تخت موجود	299
آصف بن برخیا	300
ملکہ سبا کے دل میں نور ایمان	302
ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں	303
ملکہ سبا کا انجام	304
عبرت انگیز موت	304
سلیمان علیہ السلام کی موت ایک مدت تک کیوں پوشیدہ رہی؟	305
حضرت ایوب علیہ السلام	306
حضرت ایوبؑ کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر	306
حضرت ایوبؑ کیوں مشکلات میں گرفتار ہوئے	306
سب سے بڑا غم دشمنوں کی دلآزاری باتیں	307
حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم	308
حضرت ایوب علیہ السلام قرآن اور توریت میں	309
حضرت یونس علیہ السلام	310
یونس علیہ السلام امتحان کی بھٹی میں	310
یونس علیہ السلام فراری بندہ	311

عنوان	صفحہ نمبر
قرعہ تین بار جناب یونس علیہ السلام کے نام	312
جناب یونس علیہ السلام نے استغفار کیا	312
جناب یونس علیہ السلام کدو کی بیل کے سایہ میں	313
قوم یونس علیہ السلام کا انجام	314
یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کیسے زندہ رہے؟	314
حضرت الیاس علیہ السلام	315
پیغمبر خدا مشرکین کے مقابلے میں	316
قوم الیاس علیہ السلام کا ردعمل	317
حضرت الیسع علیہ السلام	317
حضرت ذَالکفل علیہ السلام	318
حضرت عزیر علیہ السلام	318
حضرت عزیرؑ نے دین یہود کی بہت خدمت کی	319
حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام	320
ولادت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت	321
یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی نشانی	321
یحییٰ علیہ السلام، عشق الٰہی میں سرشار پیغمبر	322
یحییٰ علیہ السلام کی عمدہ صفات	323
بچپن میں نبوت	324
حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت	324
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا	325
پالنے والے یہ تو لڑکی ہے	326
مریم سلام اللہ علیہا کی پرورش کے لئے قرعہ کشی	326
جناب مریم کے سرپرست حضرت زکریا علیہ السلام	327
فرشتے جناب مریمؑ سے باتیں کرتے ہیں	328
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سرآغاز	328
''روح خدا'' سے کیا مراد ہے؟	330
مریم سلام اللہ علیہا سخت طوفانوں کے تھپیڑوں میں	330
اے کاش اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی!	332
حضرت مسیح علیہ السلام کی گہوارے میں باتیں	333
جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ماموریت کا آغاز	335
معجزات عیسیٰ علیہ السلام	335
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عیسائیوں کی گفتگو	337
خیالی تثلیث	338
1۔ عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں	338
2۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول ہیں	338
3۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا کلمہ ہیں	338
4۔ عیسیٰ علیہ السلام روح ہیں	339
یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتظار میں	339
حواری کون تھے؟	340
حواری قرآن اور انجیل کی نظر میں	340
حواریوں پر مائدہ کے نزول کا واقعہ	341
یہ آسمانی مائدہ کیا تھا	342
عہد جدید اور مائدہ	342
انجیل یا اناجیل؟	343
حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ	344
مسیح علیہ السلام قتل نہیں ہوئے، افسانہ صلیب	345
پیغمبر اسلامؐ کی بشارت، جناب عیسیٰؑ کی زبانی	347
عہدین کی بشارتیں اور ''فارقلیطا'' کی تعبیر	347

عنوان	صفحہ نمبر
ایک اور زندہ گواہ	348
حضرت لقمان	350
یہ تمام حکمت کہاں سے	350
اصحاب کہف	351
اصحاب کہف کی زندگی کا اجمالی جائزہ	351
داستان اصحاب کہف کی تفصیل	352
''غار'' ایک پناہ گاہ	353
اصحاب کہف کا اہم مقام	354
ایک طویل نیند کے بعد بیداری	356
پاکیزہ ترین غذا	357
سامان خریدنے والے پر کیا گزری	358
اصحاب کہف کے واقعہ کا اختتام	359
اصحاب کہف کی نیند	360
غار کہاں ہے؟	360
اصحاب کہف کا واقعہ دیگر تواریخ میں	361
ذوالقرنین کی عجیب کہانی	362
ذوالقرنین نے دیوار کیسے بنائی؟	364
ذوالقرنین کون تھے؟	366
ذوالقرنین کو یہ نام کیوں دیا گیا؟	367
جناب ذوالقرنین کی ممتاز صفات	367
دیوار ذوالقرنین کہاں ہے؟	367
یاجوج ماجوج کون تھے؟	368
قوم تُبّع	368
قوم تُبّع کون تھی؟	368

عنوان	صفحہ نمبر
تُبّع مدینہ کے نزدیک	369
تُبّع شہر مکہ میں	369
انطاکیہ کے رسول	370
ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے	371
ایک جاں بکف مجاہد	372
اس مرد مومن کے مقابلہ میں قوم کا ردّعمل	374
تین پیغمبروں علیہم السلام کا انجام کار	375
اس ظالم اور سرکش قوم کا سرانجام	375
انطاکیہ کے رسولوں کی داستان مجمع البیان کی زبانی	376
اصحاب الرس	378
سرسبز باغات کے مالک	379
سرسبز باغ کے مالکوں کا دردناک انجام	380
قوم سبا	382
ایک درخشاں تمدن جو کفران نعمت کی وجہ سے برباد ہو گیا	383
ہم نے انہیں اس طرح منتشر کیا کہ ضرب المثل بن گئے	385
دو دوست یا دو برادر	385
مستضعفین کا جواب	386
اور یہ ان کا انجام	388
برصیصائے عابد	389
انسانوں کو جلا دینے والی بھٹیاں	390
بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا	391
میں نے اپنی بارہ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا ہے	392

عنوان	صفحہ نمبر
اصحاب فیل	393
ابرہہ حملہ کے لئے تیار	394
میں اونٹوں کا مالک ہوں	394
ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے)	396
ایک مسلم تاریخی روئیداد	397
حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	398
نبوت سے پہلے آنحضرتؐ کس دین پر تھے؟	398
آغاز وحی	399
پہلا مسلمان	400
تحریف تاریخ	401
دعوت ذوالعشیرۃ	402
ایمان ابوطالب علیہ السلام	403
ایمان ابوطالب پر سات دلیل	404
اشعار ابوطالب علیہ السلام زندہ گواہ	405
ابوطالب علیہ السلام تین سال تک شعب میں	407
ابوطالب علیہ السلام کا سال وفات ''عام الحزن''	408
ابولہب کی دشمنی	408
ابولہب پیغمبر کا پیچھا کرتا رہا	408
ابولہب کے ہاتھ کٹ جائیں	409
ایندھن اٹھائے ہوئے	410
ابولہب کا عبرت ناک انجام	410
ابوسفیان وابوجہل چھپ کر قرآن سنتے ہیں	411
اسلام کے پہلے مہاجرین	412
مشرکین، مہاجرین کی تعقیب میں	412

عنوان	صفحہ نمبر
جعفر بن ابی طالب مہاجرین کے بہترین خطیب	413
فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹنے کی	414
معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	415
معراج کی کیفیت قرآن وحدیث کی نظر سے	415
معراج کی تاریخ	415
معراج جسمانی تھی یا روحانی؟	417
معراج کا مقصد	417
معراج اور سائنس	418
ان سوالات کے پیش نظر چند چیزوں پر توجہ	419
شب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا کی باتیں	420
اہل بہشت کے صفات	421
بہترین اور جاویدانی زندگی	422
ہجرت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	422
ابوجہل کی رائے	423
حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان بیچ ڈالی	424
قبلہ کی تبدیلی	425
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خانہ کعبہ سے خاص لگاؤ	425
تبدیلی قبلہ کا راز	426
جنگ بدر	427
313 وفادار ساتھی	428
قریش کا ایک ہزار کا لشکر	429
مسلمانو! فرشتے تمہاری مدد کریں گے	429
ستر قتل ستر اسیر	430
مجاہدین کی تشویق	431

عنوان	صفحہ نمبر
جنگ کا خاتمہ اور اسیروں کا واقعہ	431
آنحضرتؐ کے چچا عباس کا اسلام قبول کرنا	432
جنگ احد کا پیش خیمہ	433
جناب عباس کی بروقت اطلاع	433
مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں	434
آغاز جنگ	435
کون پکارا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے؟	436
جنگ کا خطرناک مرحلہ	437
کھوکھلی باتیں	438
حضرت علی علیہ السلام کے زخم	438
ہم نے شکست کیوں کھائی؟	438
عمومی معافی کا حکم	439
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء سے مخاطب	439
حنظلہ غسیل الملائکہ	439
قبیلہ بنی نضیر کی سازش	440
جنگ احزاب	441
کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں	442
لشکر کی تعداد	442
خندق کی کھدائی	442
عمرو بن عبدود سے حضرت علیؑ کی تاریخی جنگ	443
ضربت علی علیہ السلام ثقلین کی عبادت پر بھاری	444
نعیم بن مسعود کی داستان اور دشمن کے لشکر میں پھوٹ	445
حذیفہ کا واقعہ	447
جنگ احزاب قرآن کی روشنی میں	447
منافقین اور ضعیف الایمان جنگ احزاب میں	449
میں نے ایران، روم اور مصر کے محلوں کو دیکھا ہے	449
منافقانہ عذر	450
روکنے والا ٹولہ	452
وہ ہرگز ایمان نہیں لائے	452
جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار	454
مومنین کے صفات	454
جنگ بنی قریظہ	455
تین تجاویز	456
ابولبابہ کی خیانت	456
صلح حدیبیہ	457
بیعت رضوان	458
صلح نامہ کی تحریر	459
صلح حدیبیہ کے سیاسی، اجتماعی اور مذہبی نتائج	460
صلح حدیبیہ یا عظیم الشان فتح	461
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا خواب	461
مومنین کے دلوں پر نزول سکینہ	462
یہ سکینہ کیا تھا؟	462
پیچھے رہ جانے والوں کی عذر تراشی	463
اگر حدیبیہ میں جنگ ہو جاتی	464
عمرۃ القضاء	465
فتح خیبر	467
دعائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	468

عنوان	صفحہ نمبر
فاتح خیبر علی علیہ السلام	468
فتح مکہ	469
مکہ کی طرف روانگی	470
علی علیہ السلام کے قدم دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	471
آج کا دن روز رحمت ہے	472
عورتوں کی بیعت کے شرائط	473
ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی بیعت کا ماجرا	473
پیغمبرؐ کے خطوط دنیا کے بادشاہوں کے نام	474
مقوقس کے نام خط	475
قیصر روم کے نام خط	477
جنگ ذات السلاسل	479
جنگ حنین	479
دشمن کے لشکر کا مورچہ	480
بھاگنے والے کون تھے؟	481
جنگ تبوک	482
لشکری مشکلات	482
تشویق، سرزنش، اور دھمکی کی زبان	483
تنہا وہ جنگ جس میں حضرت علی علیہ السلام نے شرکت نہ کی	484
ایک عظیم درس	485
جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین لوگ	485
مسجد ضرار	486
مسجد قباء	488
سب سے پہلی نماز جمعہ	488
واقعہ غدیر	488
خطبہ غدیر	489
روز اکمال دین	491
فدک	492
''نحن معاشر الانبیاء لانورث''	493
مباہلہ	495
عظمت اہل بیت علیہم السلام کی ایک زندہ سند	496
زینب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی	498
ثعلبہ	502

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

حرف اوّل

قرآن مجید ایک تاریخی کتاب ہے، نہ گزشتہ لوگوں کی سوانح حیات کا مجموعہ، یہ نہ علوم طبیعی نصاب ہے اور نہ زمین و آسمان کے اسرار و رموز کو بیان کرنے کی کتاب ہے بلکہ وہ ''کتاب ہدایت'' ہے۔

ہاں قرآن کریم میں چونکہ گزشتہ لوگوں خصوصاً انبیائے کرام اور اقوام وملل کے عبرت ناک واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ زمین کے ایک عظیم حصہ پر حکومت کرتے تھے اور اب ان کا نام ونشان تک نہیں رہا، اور کائنات کے پُراسرار مخلوقات میں ''توحید خدا'' اور ''معرفت اللہ'' کے بہترین درس چھپے ہوئے ہیں لہٰذا قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں انہیں بیان کیا ہے اور انسانی ہدایت کے لئے مؤثر اور کامیاب نمونے بیان کئے ہیں۔

عصر حاضر میں جوانوں اور نوجوانوں کو راہ ہدایت سے گمراہ کرنے کے لئے جس قدر پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، اخبار اور جرائد ایک طرف، تو ریڈیو، ٹی وی دوسری طرف اور آج کل انٹرنیٹ جس نے پوری دنیا کی اچھائیاں کم اور برائیاں زیادہ ایک میز پر لاکر رکھ دی ہیں، ہر طرف سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں، اسلام کی ترقی دیکھ کر اسلام دشمن طاقتیں ایڑی چوٹی کے زور لگارہی ہیں، خصوصاً جبکہ دشمن سمجھ چکا ہے کہ دین حقیقی کے ماننے والے یہی شیعہ اثنا عشری ہیں، کہیں یورپ اور امریکہ سے اسلام کے خلاف اعتراضات بیان ہوتے ہیں تو کبھی فرقہ وہابیت کی طرف سے شیعت پر بے جا شبہات وارد کئے جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسے ماحول میں اپنے جوانوں کو دینی راستے پر قائم رکھنا واقعاً ہم سب کی ذمہ داری ہے، علمائے کرام، دینی رہبروں اور قوم وملت کے صاحبان حیثیت افراد کا فریضہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کریں، ورنہ کل روز قیامت خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے اسی چیز کے پیش نظر الحاج جناب آقائے انصاریان صاحب کی فرمائش پر تفسیر نمونہ (تالیف استاد محترم آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی دام ظلہ) سے منتخب شدہ قرآنی واقعات کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا، کیونکہ قرآنی واقعات ہماری زندگی کے لئے بہترین نمونہ عمل بن سکتے ہیں۔

کتاب ''قصص قرآن''، تفسیر نمونہ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین سید صفدر حسین اعلی اللہ مقامہ) سے تلاش کرنا، نشانات لگانا، کمپوز کرنا پھر تصحیح اور مطابقت کرنا واقعاً مشکل کام تھا، بسا اوقات ہم کو یہ فکر لاحق ہوتی تھی کہ شاید اس سے آسان تو ترجمہ ہی ہوجاتا، الحمدللہ توفیق الٰہی اور بعض برادران کے تعاون سے ایک سال کی مدت میں یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا ہے، ہم تہہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔

خداوند عالم ہماری توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

ربّنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اقبال حیدر حیدری

تقریظ حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن مجید ایک تاریخی کتاب ہے، نہ گزشتہ لوگوں کی سوانح حیات کا مجموعہ، یہ نہ علوم طبیعی نصاب ہے اور نہ زمین و آسمان کے اسرار و رموز کو بیان کرنے کی کتاب ہے بلکہ وہ ''کتاب ہدایت'' ہے۔

ہاں! قرآن کریم میں چونکہ گزشتہ لوگوں خصوصاً انبیائے کرام اور اقوام و ملل کے عبرت ناک واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ زمین کے ایک عظیم حصہ پر حکومت کرتے تھے، اور اب ان کا نام و نشان تک نہیں رہا، اور کائنات کے پُراسرار مخلوقات میں ''توحید خدا'' اور ''معرفت اللہ'' کے بہترین درس چھپے ہوئے ہیں لہٰذا قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں انہیں بیان کیا ہے اور انسانی ہدایت کے لئے مؤثر اور کامیاب نمونے بیان کئے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان نکات کو بیان کرتے ہوئے قرآنی آیات کا لب ولہجہ اس انداز کا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ ان واقعات کی تازگی ختم نہیں ہوتی بلکہ مرور زمان کے باوجود اس کے معنی و مفاہیم میں تر و تازگی اور سبق آموزی پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح ہر پیر و جوان اور عوام الناس و دانشور اپنے لحاظ سے اس نور ہدایت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

یہ صرف ایک دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ آپ حضرات بھی قرآن سے نزدیک ہو سکتے ہیں، اور اس حقیقت کا تجربہ کر سکتے ہیں، اس کا ایک واضح نمونہ ''کتاب ہذا قصص قرآن'' ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، گزشتہ اقوام ملل کی داستانیں جو حجۃ الاسلام عالی جناب سید حسین حسینی نے ''تفسیر نمونہ'' سے انتخاب کی ہیں، اور کافی زحمت کر کے اپنے بہترین سلیقہ کو بروئے کار لائے ہیں، جس سے ہر پڑھنے والے کو ہدایت و روشنی ملتی ہے اور اس کی زندگی کو ''سعادت و فلاح و بہبودی'' کا راستہ دکھاتی ہے۔

آخر میں ہم مولانا موصوف کی زحمتوں کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کے شکر گزار ہیں اور سبھی کو کتاب ہذا کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں خداوند عالم موصوف کی اس کاوش اور ہم سب کی جد و جہد کو قبول فرمائے۔

ناصر مکارم شیرازی

حوزہ علمیہ قم

ذی الحجہ 1421ھ

پیش گفتار

حالانکہ ہمیشہ سے شیعہ علمائے کرام نے قرآن مجید کی بہت سے تفاسیر لکھی ہیں، جن سے بہت سے علمائے کرام اور حوزات علمیہ فیض حاصل کرتے رہے ہیں، لیکن جن صفات کی حامل ''تفسیر نمونہ'' ہے وہ بھی فارسی زبان میں جس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، خصوصاً دور حاضر میں کہ جب قرآن فہمی کا جذبہ ہر طبقہ میں پیدا ہوگیا ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی نے چند علماء کے ساتھ مل کر اس ضرورت کو پورا کیا اور اس تفسیر کے ذریعہ قرآن مجید کی شایان شان خدمت انجام دی۔

اس تفسیر کی خاص صفات جن کی وجہ سے یہ مقبول عام ہوئی ہے حسب ذیل ہیں:

1۔ اگرچہ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے لیکن اس کے علمی اور تحقیقاتی نکات میں کافی رعایت کی گئی ہے، تاکہ علمائے کرام اور طلاب بھی اس سے فیضاب ہوسکیں اور قرآن فہمی کا شوق رکھنے والے عوام الناس بھی۔

2۔ تفسیر آیات میں بعض غیر ضروری مسائل میں الجھنے کے بجائے ان مسائل سے خصوصی بحث کی گئی ہے جو انسان کے لئے واقعاً زندگی ساز ہیں جن کے ذریعہ انسان کی فردی اور معاشرتی زندگی میں کافی مؤثر ہوتی ہے۔

3۔ آیات میں بیان شدہ عناوین کے تحت ایک مختصر و مفید عنوان سے الگ بحث کی گئی ہے جس کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام کو دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

4۔ تفسیر میں مشکل اور پیچیدہ اصطلاحات سے پرہیز کیا گیا ہے لیکن ضرورت کے وقت حاشیہ میں ضروری وضاحت بھی کی گئی ہے، تاکہ علمائے اور صاحبان نقد حضرات کے علاوہ عام قارئین کرام کے لئے بھی مفید واقع ہوسکے۔

5۔ اس تفسیر کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ اس میں قرآنی واقعات سلیس زبان اور پُرکشش انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور ہر طرح کے پیچیدہ مسائل سے اجتناب کیا گیا ہے۔

اسی لئے حقیر نے استاد معظم سے اجازت طلب کی تاکہ قرآنی واقعات کو جمع کرکے ایک الگ کتاب کی شکل دے دی جائے جو عام قارئین کرام کے لئے مفید واقع ہوسکے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ استاد بزرگوار نے اجازت مرحمت فرمادی، اور ہم نے تفسیر نمونہ کا ایک دقیق دورہ کیا اور اس سے قرآنی واقعات کو جمع کیا، جن کو آپ حضرات کتاب ہذا کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

چند ضروری نکات:

1۔ کہیں کہیں ایسا ہوا ہے کہ ایک واقعہ تفسیر کی مختلف جلدوں میں بیان ہوا ہے مثال کے طور پر جناب موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تیس

سے زیادہ سوروں میں 130 بار سے زیادہ بیان ہوا ہے، ہم نے ان کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کو مقدم و موخر کیا تا کہ واقعہ کی کیفیت ختم نہ ہونے پائے، اسی وجہ سے اگر چہ ظاہراً اس کتاب کا مواد جمع کرنا آسان کام ہے لیکن اس کے مختلف مراحل طے کرنے پڑے ہیں، منجملہ تفسیری دورہ، واقعات کی جمع آوری اور ان کو منظم و مرتب کرنا واقعاً ایک فرصت طلب کام تھا (جو الحمد للہ مکمل ہو گیا)

2۔ چونکہ واقعات قرآن سے ہم آہنگ ہیں حاشیہ میں سورہ اور آیت کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے جس سے اگر کوئی تفسیر نمونہ پر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے آسان ہو جائے، اسی وجہ سے ان واقعات کے حوالے نہیں لکھے گئے ہیں۔

3۔ قرآن کریم میں مختلف واقعات کے علاوہ 26 انبیاء علیہم السلام کا نام مبارک وضاحت کے ساتھ لیا گیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، لوط، یوسف، یعقوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، یونس، الیاس، الیسع، ذا الکفل، عزیر، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ضمناً عرض ہے کہ حضرت اشموئیل علیہ السلام نبی جن کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں نہیں ہے، ان کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا حصہ: قرآن میں بیان شدہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات۔

دوسرا حصہ: قرآن میں بیان شدہ دوسرے واقعات۔

تیسرا حصہ: قرآن میں بیان شدہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات۔

امید ہے کہ یہ ناچیز کوشش حضرت بقیۃ اللہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی بارگاہ میں مقبول و منظور قرار پائے گی۔

سید حسین حسینی

قم المقدسہ

انسانی زندگی پر داستان کا اثر

قرآن کریم کا بہت سا حصہ گزشتہ قوموں کی سرگذشت اور گزرنے ہوئے لوگوں کے واقعات زندگی کی صورت میں ہے، اس پہلو پر نظر کرنے سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ایک تربیت کنندہ اور انسان ساز کتاب میں یہ سب تاریخ اور داستانیں کیوں ہیں۔

لیکن ذیل کے چند نکات کی طرف توجہ کرنے سے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے۔:

1۔ تاریخ انسانی زندگی کے مختلف مسائل کی تجربہ گاہ ہے اور جو چیزیں انسان عقلی دلائل سے اپنی ذہن میں منعکس کرتا ہے انہیں تاریخ کے صفحات میں عینی صورت میں کھلا ہوا پاتا ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ معلومات میں سے زیادہ قابل اعتماد وہ ہیں جو حسی پہلو رکھتی ہیں، واقعات زندگی میں تاریخ کا اثر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، انسان اپنی آنکھوں سے صفحات تاریخ میں اختلاف و انتشار کی وجہ سے کسی قوم کی مرگ بار شکست دیکھتا ہے اور اسی طرح اتحاد و ہم بستگی کے باعث کسی دوسری قوم کی درخشاں کامیابی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

گزشتہ لوگوں کے حالات ان کے نہایت قیمتی تجربات کا مجموعہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ زندگی کا ماحصل تجربے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

تاریخ ایک آئینہ ہے جو اپنے اندر تمام انسانی معاشروں کا ڈھانچہ منعکس کرتا ہے، یہ آئینہ ان کی برائیاں اچھائیاں، کامیابیاں، ناکامیاں، فتوحات، شکستیں اور ان سب امور کے عوامل و اسباب دکھا دیتا ہے، اسی بنا پر ان کی پوری عمر کے تجربات سمیٹ لیتا ہے، اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام اپنے ارومند فرزند کے نام اپنے تاریخی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

''اے میرے بیٹے اگر گزشتہ لوگوں کی عمر یکجا مجھے حاصل نہیں تاہم میں نے ان کے اعمال دیکھے ہیں، ان کے واقعات میں غور و فکر کیا ہے اور ان کے آثار کی سیر و سیاحت کی ہے اس طرح سے گویا میں ان میں سے ایک ہو گیا ہوں، بلکہ اس بنا پر کہ میں نے ان کی تاریخ کے تجربات معلوم کئے ہیں تو گویا میں نے ان کے اولین و آخرین کے ساتھ زندگی گذاری ہے''۔ [1]

البتہ! یہاں تاریخ سے مراد وہ تاریخ ہے جو خرافات، اتہامات، دروغ گوئیوں، چاپلوسیوں، ثناخوانیوں، تحریفوں اور مسخ شدہ واقعات سے خالی ہو لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی تاریخیں بہت کم ہیں، اس سلسلے میں قرآن نے حقیقی تاریخ کے جو نمونے پیش کئے ہیں اس کے اثر کو نظر سے اوجھل نہیں رہنا چاہئے۔

ایسی تاریخ کی ضرورت ہے کہ جو آئینے کی طرح صاف ہو نہ کہ کثر نما ہو، ایسی تاریخ کہ جو صرف واقعات ذکر نہ کرے بلکہ اس کی بنیاد اور نتائج بھی تلاش کرے۔

ان حالات میں قرآن جو تربیت کی ایک اعلیٰ کتاب ہے تاریخ سے استفادہ کیوں نہ کرے اور گزشتہ لوگوں کے واقعات سے مثالیں اور شواہد کیوں پیش نہ کرے۔

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب 31، بنام امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

2۔علاوہ ازیں تاریخ ایک خاص قوت جاذبہ رکھتی ہے اور انسان بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اپنی عمر کے تمام ادوار میں اس زبردست قوت جاذبہ کے زیر اثر رہتا ہے، اسی بنا پر دنیا کی ادبیات کا ایک اہم حصہ اور انشا پردازوں کے عظیم آثار تاریخ اور واقعات پر مشتمل ہیں۔

شعرا اور عظیم مصنفین کے بہترین آثار چاہے وہ فارسی میں ہوں یا دوسری زبانوں میں یہی داستانیں اور واقعات ہیں گلستان سعدی، شاہنامہ فردوسی، خمسہ نظامی اور معاصر مصنفین کے دلکش آثار، اسی طرح ہیجان آفرین فرانسیسی مصنف ویکٹر ہوگو، برطانیہ کے شکسپیئر، اور جرمنی کے گوئٹے، سب کی تصانیف داستان کی صورت میں ہیں۔

داستان اور واقعہ چاہے نظم کی صورت میں ہو یا نثر کی، نمائش کے انداز میں ہو یا فلم کی شکل میں پڑھنے والے اور دیکھنے والے پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایسی تاثیر عقلی استدلالات کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انسان عقلی سے پہلے حسی ہے اور وہ جس قدر فکری مسائل میں غور وفکر کرتا ہے اس سے زیادہ حسی مسائل میں غوطہ زن ہوتا ہے، زندگی کے مختلف مسائل میں جس قدر میدان حس سے دور ہوتے ہیں اور خالص عقلی حوالے سے ہوتے ہیں اسی قدر ثقیل اور سنگین ہوتے ہیں اور اتنی ہی دیر سے ہضم ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ عقلی استدلالات کے مضبوط بنانے کے لئے حسی مثالوں سے مدد لی جاتی ہے، بعض اوقات ایک مناسب اور برمحل مثال استدلال کا اثر کئی گنا زیادہ کر دیتی ہے، اسی لئے کامیاب علماء وہ ہیں جو بہترین مثالیں انتخاب کرنے پر زیادہ دسترس رکھتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عقلی استدلال حسی، عینی اور تجرباتی مسائل کا ماحصل ہیں۔

3۔داستان اور تاریخ ہر شخص کے لئے قابل فہم ہے جب کہ اس کے برعکس عقلی استدلالات کی رسائی میں سب لوگ برابر کے شریک نہیں ہیں۔

اسی لئے وہ کتاب کہ جو عمومیت رکھتی ہے اور سب کے لئے ہے، نیم وحشی، ان پڑھ عرب کے بیابانی بدّو سے لے کر عظیم مفکر اور فلسفی تک کے استفادہ کے لئے ہے اسے حتمی طور پر تاریخ، داستانوں اور مثالوں کا سہارا لینا چاہئے۔

ان تمام پہلوؤں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام تاریخیں اور داستانیں بیان کر کے قرآن نے تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بہترین راستہ اپنایا ہے۔

خصوصاً اس نکتے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قرآن نے کسی موقع پر بھی خالی تاریخی واقعات ہی بیان نہیں کر دیئے بلکہ ہر قدم پر اس سے نتائج اخذ کئے ہیں اور اس سے تربیتی حوالے سے استفادہ کیا ہے چنانچہ آپ اسی صورت میں اس کے کئی نمونے دیکھیں گے۔

انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت آدم علیہ السلام

خدا کی خواہش یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسا موجود خلق فرمائے جو اس کا نمائندہ ہو، اس کی صفات، صفات خداوندی کا پرتو ہوں اور اس کا مرتبہ ومقام فرشتوں سے بالاتر ہو، خدا کی خواہش اور ارادہ یہ تھا کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں، تمام قوتیں، سب خزانے، تمام کانیں اور سارے وسائل بھی اس کے سپرد کر دیئے جائیں، ضروری ہے کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں عقل وشعور، ادراک کے وافر حصے اور خصوصی استعداد کا حامل ہو جس کی بناء پر موجودات ارضی کی رہبری اور پیشوائی کا منصب سنبھال سکے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے: ''یاد کریں اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر جانشین مقرر کرنے والا ہوں۔[1]

بہر حال خدا چاہتا تھا کہ ایسے وجود کو پیدا کرے جو عالم وجود کا گلدستہ ہو اور خلافت الٰہی کے مقام کی اہلیت رکھتا ہو اور زمین پر اللہ کا نمائندہ ہو مربوط آیات کی تفسیر میں ایک حدیث جو امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرشتے مقام آدم پہچاننے کے بعد سمجھ گئے کہ آدم اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہیں کہ وہ زمین میں خلفاء الٰہی ہوں اور مخلوق پر اس کی حجت ہوں۔

فرشتوں کا سوال

فرشتوں نے حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ کہ اعتراض کی غرض سے عرض کیا: ''کیا زمین میں اسے جانشین قرار دے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جب کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح وحمد کرتے ہیں اور جس چیز کی تیری ذات لائق نہیں اس سے تجھے پاک سمجھے ہیں۔[2]

مگر یہاں پر خدا نے انہیں سربستہ ومجمل جواب دیا جس کی وضاحت بعد کے مراحل میں آشکار ہو فرمایا: ''میں ایسی چیزوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔[3]

فرشتوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ انسان سربراہی نہیں بلکہ فساد کرے گا، خون بہائے گا اور خرابیاں کرے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کس طرح سمجھے تھے۔

بعض کہتے ہیں خدا نے انسان کے آئندہ حالات بطور اجمال انہیں بتائے تھے جب کہ بعض کا احتمال ہے کہ ملائکہ خود اس

---

[1] سورہ بقرہ آیت 30

[2] سورہ بقرہ آیت 30

[3] سورہ بقرہ آیت 30

مطلب کو لفظ ''فی الارض'' (زمین میں) سے سمجھ گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے انسان مٹی سے پیدا ہوگا اور مادہ اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعاً مرکز نزاع وتزاحم ہے کیونکہ محدود مادی زمانہ انسانوں کی اس طبیعت کو سیر وسیراب نہیں کرسکتا جو زیادہ کی طلب رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر ساری دنیا بھی ایک فرد کو دے دی جائے تو ممکن ہے وہ پھر بھی سیر نہ ہو اگر کافی احساس ذمہ داری نہ ہو تو یہ کیفیت فساد اور خونریزی کا سبب بنتی ہے۔

بعض دوسرے مفسرین معتقد ہیں کہ فرشتوں کی پیشین گوئی اس وجہ سے تھی کہ آدم روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں تھے بلکہ اس سے قبل بھی دیگر مخلوقات تھیں؛ جنہوں نے نزاع، جھگڑا اور خونریزی کی تھی، ان سے پہلے مخلوقات کی بری فائل نسل آدم کے بارے میں فرشتوں کی بدگمانی کا باعث بنی۔

یہ تین تفاسیر ایک دوسرے سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں رکھتیں یعنی ممکن ہے یہ تمام امور فرشتوں کی اس توجہ کا سبب بنا ہو اور دراصل یہ ایک حقیقت بھی تھی جسے انہوں نے بیان کیا تھا یہی وجہ ہے کہ خدا نے جواب میں کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ ایسی مزید حقیقتیں انسان اور اس کے مقام کے بارے میں موجود ہیں جن سے فرشتے آگاہ نہیں تھے۔

فرشتے سمجھتے تھے اگر مقصد عبودیت اور بندگی ہے تو ہم اس کے مصداق کامل ہیں، ہمیشہ عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں لہٰذا سب سے زیادہ ہم خلافت کے لائق ہیں لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ ان کے وجود میں شہوت وغضب اور قسم قسم کی خواہشات موجود نہیں جب کہ انسان کو میلانات وشہوات نے گھیر رکھا ہے اور شیطان ہر طرف سے اسے وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے لہٰذا ان کی عبادت انسان کی عبادت سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہے کہاں اطاعت اور فرمانبرداری ایک طوفان زدہ کی اور کہاں عبادت ان ساحل نشینوں کی جو مطمئن، خالی ہاتھ اور سبک بار ہیں۔

انہیں کب معلوم تھا کہ اس آدم کی نسل سے محمدؐ، ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام جیسے معصوم اور ایسے صالح بندے اور جانباز شہید مرد اور عورتیں عرصۂ وجود میں قدم رکھیں گے جو پروانہ وار اپنے آپ کو راہ خدا میں پیش کریں گے ایسے افراد جن کے غور وفکر کی ایک گھڑی فرشتوں کی سالہا سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتوں نے اپنی صفات کے بارے میں تین چیزوں کا سہارا لیا تسبیح، حمد اور تقدیس، درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر ہدف اور غرض، اطاعت اور بندگی ہے تو ہم فرمانبردار ہیں اور اگر عبادت ہے تو ہم ہر وقت اس میں مشغول رہتے ہیں اور اگر اپنے آپ کو پاک رکھنا یا صفحہ ارضی کو پاک رکھنا ہے تو ہم ایسا کریں گے جب کہ یہ مادی انسان خود بھی فاسد ہے اور روئے زمین کو بھی فاسد کردے گا۔

حقائق کو تفصیل سے ان کے سامنے واضح کرنے کے لئے خداوند عالم نے ان کی آزمائش کے لئے اقدام کیا تاکہ وہ خود اعتراف کریں کہ:

''ان کے اور اولاد آدم کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے''

فرشتے امتحان کے سانچے میں

پروردگار کے لطف وکرم سے آدم حقائق عالم کے ادراک کی کافی استعداد رکھتے تھے خدا نے ان کی اس استعداد کو فعلیت

کے درجے تک پہنچایا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق آدم کو تمام اسماء (عالم وجود کے حقائق واسرار) کی تعلیم دی گئی۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے اس آیت (وعلم آدم الاسماء کلها) کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

الارضین والجبال والشعاب والاودیه ثمه نظر الی بساط تحته فقال وهزا ابساط مما علمه۔

اسماء سے مراد زمینیں، پہاڑ، دریا، اور وادیاں (غرض یہ کہ تمام موجودات) تھے، اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس فرش کی طرف نگاہ کی جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا اور فرمایا یہاں تک کہ یہ فرش بھی ان امور میں سے ہے کہ خدا نے جن کی آدم کو تعلیم دی۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ علم لغت کے مشابہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق فلسفہ، اور اسرار اور کیفیات وخواص کے ساتھ تھا، خداوند عالم نے آدم کو اس علم کی تعلیم دی تا کہ وہ اپنی سیر تکامل میں اس جہان کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں اسی طرح مختلف چیزوں کے نام رکھنے کی استعداد بھی انہیں دی تا کہ وہ چیزوں کے نام رکھ سکیں اور ضرورت کے وقت ان کا نام لے کر انہیں بلا سکیں یا منگوا سکیں اور یہ ضروری نہ ہو کہ اس کے لئے ویسی چیز دکھانی پڑے، یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اس موضوع کی اہمیت ہم اس وقت سمجھتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس اس وقت جو کچھ ہے کتاب اور لکھنے کی وجہ سے ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کے سب علمی ذخائر ان کی تحریروں میں جمع ہیں اور یہ سب کچھ چیزوں کے نام رکھنے اور ان کے خواص کی وجہ سے ہے ورنہ کبھی بھی ممکن نہ تھا کہ ہم گذشتہ لوگوں کے علوم آنے والوں تک منتقل کر سکتے۔

پھر خداوند عالم نے فرشتوں سے فرمایا: ''اگر سچ کہتے ہو تو ان اشیاء اور موجودات کے نام بتاؤ جنہیں دیکھ رہے ہو اور ان کے اسرار و کیفیات کو بیان کرو، لیکن فرشتے جو اتنا علم نہ رکھتے تھے اس امتحان میں پیچھے رہ گئے لہٰذا جواب میں کہنے لگے خدا وندا: ''تو منزہ ہے، تو نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ہمیں نہیں معلوم تو خود ہی علیم وحکیم ہے۔[2]

اگر ہم نے اس سلسلے میں سوال کیا ہے تو یہ ہماری ناآگاہی کی بناء پر تھا اور آدم کی اس عجیب استعداد اور قدرت سے بے خبر تھے جو ہمارے مقابلے میں اس کا بہت بڑا امتیاز ہے، بے شک وہ تیری خلافت وجانشینی کی اہلیت رکھتا ہے جہان ہستی کی سرزمین اس کے وجود کے بغیر ناقص تھی۔

اب آدم علیہ السلام کی باری آئی کہ وہ ملائکہ کے سامنے موجودات کا نام لیں اور ان کے اسرار بیان کریں خداوند عالم نے فرمایا: ''اے آدم: فرشتوں کو ان موجودات کے ناموں اور کاموں سے آگاہ کرو، جب آدم نے انہیں ان اسماء سے آگاہ کیا تو خداوند عالم نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ میں آسمان وزمین کے غیب سے واقف ہوں اور تم جو کچھ ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو سب سے باخبر ہوں''[3]

---

[1] سورہ بقرہ آیت 31

مفسرین نے اگرچہ ''علم اسماء کی تفسیر میں قسم قسم کے بیانات دیئے ہیں لیکن مسلم ہے کہ آدم کو کلمات واسماء کی تعلیم بغیر معنی کے نہیں دی تھی کیونکہ یہ کوئی قابل فخر بات نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان اسماء کے معانی ومفاہیم اور جن چیزوں کے وہ نام تھے ان سب کی تعلیم ہے البتہ جہان خلقت اور عالم ہستی کے مختلف موجودات کے اسماء خواص سے مربوط علوم سے باخبر وآگاہ کیا جانا حضرت آدم کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا''۔

[2] سورہ بقرہ آیت 31

[3] سورہ بقرہ آیت 33

اس مقام پر ملائکہ نے اس انسان کی وسیع معلومات اور فراواں حکمت ودانائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ان پر واضح ہو گیا کہ صرف یہی زمین پر خلافت کی اہلیت رکھتا ہے۔

آدم علیہ السلام جنت میں

گذشتہ بحثیں جو انسان کے مقام وعظمت کے بارے میں تھیں ان کے ساتھ قرآن نے ایک اور فصل بیان کی ہے، پہلے کہتا ہے: ''یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے لئے سجدہ وخضوع کرو، ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور اسی تکبر ونافرمانی کی وجہ سے کافروں میں داخل ہو گیا''۔ [1]

بہر حال مربوط آیت انسانی شرافت اور اس کی عظمت ومقام کی زندہ اور واضح دلیل ہے کہ اس کی تکمیل خلقت کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ اس عظیم مخلوق کے سامنے سر تسلیم خم کر دو، واقعاً وہ شخص جو مقام خلافت الٰہی اور زمین پر خدا کی نمائندگی کا منصب حاصل کرے، تمام تر تکامل وکمال پر فائز ہو اور بلند مرتبہ فرزندوں کی پرورش کا ذمہ دار ہو جن میں انبیاء اور خصوصاً پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین شامل ہوں، ایسا انسان ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔

ابلیس نے مخالفت کیوں کی

ہم جانتے ہیں کہ لفظ ''شیطان'' اسم جنس ہے جس میں پہلا شیطان اور دیگر تمام شیطان شامل ہیں لیکن ابلیس مخصوص نام ہے، اور یہ اسی شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے حضرت آدم کو ورغلایا تھا وہ صریح آیات قرآن کے مطابق ملائکہ کی نوع سے نہیں تھا صرف ان کی صفوں میں رہتا تھا وہ گروہ جن میں سے تھا جو ایک مادی مخلوق ہے۔ [2]

اس مخالفت کا سبب کبر وغرور اور خاص تعصب تھا جو اس کی فکر پر مسلط تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں لہٰذا آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا جانا چاہئے بلکہ آدم کو سجدہ کرنا چاہئے اور اسے مسجود ہونا چاہئے۔

خدا نے ''ابلیس'' کی سرکشی اور طغیانی کی وجہ اس کا مواخذہ کیا اور کہا: اس بات کا کیا سبب ہے کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور میرے فرمان کو نظر انداز کر دیا ہے؟ [3]

اس نے جواب میں ایک نادرست بہانے کا سہارا لیا اور کہا: ''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو آب وگل سے۔ [4]

گویا اسے خیال تھا کہ آگ، خاک سے بہتر وافضل ہے، یہ ابلیس کی ایک بڑی غلط فہمی تھی، شاید اسے غلط فہمی بھی نہ تھی بلکہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا تھا۔

لیکن شیطان کی داستان اسی جگہ ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس نے جب یہ دیکھا کہ وہ درگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا ہے اور اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی میں اور اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بجائے شرمندگی اور توبہ کے اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کی طرف پلٹے اور

---

[1] سورہ بقرہ آیت 34

[2] سورہ کہف آیت 50 میں ہے: ''سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا''

[3] سورہ اعراف آیت 12

[4] سورہ اعراف آیت 12

اپنی غلطی کا اعتراف کرے،اس نے خدا سے صرف اس بات کی درخواست کی کہ:''خدایا مجھے رہتی دنیا تک کے لئے مہلت عطا فرمادے اور زندگی عطا کر۔[1]

اس کی یہ درخواست قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''تجھے مہلت دی جاتی ہے''[2]

اگر چہ قرآن میں اس بات کی صراحت نہیں کی گئی کہ ابلیس کی درخواست کس حد تک منظور ہوئی۔ارشاد ہوا:''تجھ کو اس روز معین تک کے لئے مہلت دی گئی''[3]

یعنی اس کی پوری درخواست منظور نہیں ہوئی بلکہ جس مقدار میں خدا نے چاہا اتنی مہلت عطا کی۔

لیکن اس نے جو یہ مہلت حاصل کی وہ اس لئے نہیں تھی کہ اپنی غلطی کا تدارک کرے بلکہ اس نے اس طولانی عمر کے حاصل کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا:

''اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے،تو میں بھی تیرے سیدھے راستے پر تاک لگا کر بیٹھوں گا(مورچہ بناؤں گا)اور ان(اولاد آدم)کو راستے سے ہٹادوں گا،تاکہ جس طرح میں گمراہ ہوا ہوں اسی طرح وہ بھی گمراہ ہوجائیں''[4]

اس کے بعد شیطان نے اپنی بات کی مزید تائید وتاکید کے لئے یوں کہا:''میں نہ صرف یہ کہ ان کے راستہ پر اپنا مورچہ قائم کروں گا بلکہ ان کے سامنے سے،پیچھے سے،داھنی جانب سے،بائیں جانب سے گویا

چاروں طرف سے ان کے پاس آؤں گا جس کے نتیجہ میں تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا''[5]

شروع میں اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا،اسی لئے اس کے خروج کا حکم صادر ہوا،اس کے بعد اس نے ایک اور بڑا گناہ یہ کیا کہ خدا کے سامنے بنی آدم کو بہکانے کا عہد کیا اور ایسی بات کہی گویا وہ خدا کو دھمکی دے رہا تھا،ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہوسکتا ہے۔لہٰذا خدا نے اس سے فرمایا:اس مقام سے بدترین ننگ وعار کے ساتھ نکل جا اور ذلت وخواری کے ساتھ نیچے اتر جا۔

---

[1] سورہ اعراف آیت14

[2] سورہ اعراف آیت15

[3] سورہ حجر آیت38

[4] سورہ اعراف آیت16

[5] سوہ اعراف آیت16

مذکورہ بالا تعبیر سے مراد یہ ہوسکتی کہ شیطان ہر طرف سے انسان کا محاصرہ کرے گا اور اسے گمراہ کرنے کے لئے ہر وسیلہ اختیار کرے گا اور یہ تعبیر ہماری روزمرہ کی گفتگو میں بھی ملتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ''فلاں شخص چاروں طرف سے قرض میں یا مرض میں گھر گیا ہے۔''

اوپر اور نیچے کا ذکر نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زیادہ تر اور عموماً فعالیت ان چار طرف ہوتی ہے۔

لیکن ایک روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے،اس میں ان''چاروں جہت'' کی ایک گہری تفسیر ملتی ہے اس میں ایک جگہ پر حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:''شیطان جو آگے سے آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کو جو انسان کے آگے ہے اس کی نظر میں سبک کر دیتا ہے،اور پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ؛شیطان انسان کو مال جمع کرنے اور اولاد کی خاطر بخل کرنے کے لئے ورغلاتا ہے،اور''داہنی طرف''سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان کے دل میں شک وشبہ ڈال کر اس کے امور معنوی کو ضائع کر دیتا ہے اور بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے ک شیطان انسان کی نگاہ میں لذات مادی وشہوات دنیوی کو حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔

اور فرمایا: ''میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ جو بھی تیری پیروی کرے گا میں جہنم کو تجھ سے اور اس سے بھر دوں گا''[1]

بہشت میں قیام

بہر حال اس واقعہ اور فرشتوں کے امتحان کے بعد آدم اور حوا کو حکم دیا گیا کہ وہ بہشت میں سکونت اختیار کریں چنانچہ قرآن کہتا ہے: ''ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور اس کی فراواں نعمتوں میں سے جو چاہو کھاؤ لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''[2]

آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم زندگی گزارنے کے لئے اسی عام زمین پر پیدا ہوئے تھے لیکن ابتداء میں خداوند عالم نے انہیں بہشت میں سکونت دی جو اسی جہان کا ایک سرسبز و شاداب اور نعمتوں سے مالا مال باغ تھا وہ ایسی جگہ تھی جہاں آدم نے کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آدم زمین پر زندگی گزارنے سے آشنائی نہ رکھتے تھے اور بغیر کسی تمہید کے زحمات و تکلیف اٹھانا ان کے لئے مشکل تھا اور زمین میں زندگی گزارنے کے لئے یہاں کے کردار و رفتار کی کیفیت سے آگاہیت ضروری تھی لہٰذا مختصر مدت کے لئے بہشت کے اندر ضروری تعلیمات حاصل کر لیں کیونکہ زمین کی زندگی پروگراموں، تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے معمور ہے جس کا انجام صحیح سعادت، تکامل اور بقائے نعمت کا سبب ہے اور ان سے روگردانی کرنا رنج و مصیبت کا باعث ہے۔

اور یہ بھی جان لیں کہ اگرچہ انہیں چاہئے کہ زمین کی کچھ چیزوں سے چشم پوشی کریں نیز یہ جان لینا بھی ضروری تھا کہ اگر خطا و لغزش دامن گیر ہو تو ایسا نہیں کہ سعادت و خوش بختی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے بلکہ انہیں پلٹ کر دوبارہ عہد و پیمان کرنا چاہئے کہ وہ حکم خدا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیں گے تاکہ دوبارہ نعمات الٰہی سے مستفید ہو سکیں، یہ بھی تھا کہ وہ اس ماحول میں رہ کر کچھ پختہ ہو جائیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان لیں اور زمین میں زندگی گزارنے کی کیفیت سے آشنا ہو جائیں یقیناً یہ سلسلۂ تعلیمات ضروری تھا تاکہ وہ اسے یاد رکھیں اور اس تیاری کے ساتھ روئے زمین پر قدم رکھیں۔

یہ ایسے مطالب تھے کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد آئندہ زندگی میں ان کی محتاج تھی لہٰذا اس کے باوجود کہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ایک مدت تک بہشت میں قیام کرتے ہیں اور انہیں کئی ایک حکم دیئے جاتے ہیں جو شاید سب تمرین و تعلیم کے پہلو سے تھا۔

شیطان کا وسوسہ

اس مقام پر آدم نے اس فرمان الٰہی کو دیکھا جس میں آپ کو ایک درخت کے بارے میں منع کیا گیا تھا ادھر شیطان نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ آدم اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہ آئے گا وہ وسوسے پیدا کرنے میں مشغول ہو گیا جیسا کہ باقی آیات قرآنی

---

[1] سورہ اعراف آیت 18

سجدہ خدا کے لئے تھا یا آدم کے لئے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''سجدہ'' جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معین یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، لہٰذا اس میں شک و شبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدہ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا، لیکن اس عجیب و غریب مخلوق کی وجہ سے یا یہ کہ سجدہ آدم کے لئے تھا لیکن وہ خضوع و تعظیم کا سجدہ تھا نہ کہ عبادت و پرستش کا۔

کتاب عیون الاخبار میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے اسی طرح کی روایت ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''فرشتوں کا سجدہ ایک طرف سے خدا کی عبادت تھی اور دوسری طرف آدم کا اکرام و احترام کیونکہ ہم صلب آدم میں موجود تھے''۔

[2] سورہ بقرہ آیت 35

سے ظاہر ہوتا ہے اس نے آدم کو اطمینان دلایا کہ اگر اس درخت سے کچھ لیں تو وہ اور ان کی بیوی فرشتے بن جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے یہاں تک کہ اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔[1]

اس طرح اس نے فرمان خدا کو ان کی نظر میں ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا اور انہیں یہ تصور دلانے کی کوشش کی کہ اس ''شجرہ ممنوعہ'' سے کھالینا نہ صرف یہ کہ ضرر رساں نہیں بلکہ عمر جاوداں یا ملائکہ کا مقام و مرتبہ پالینے کا موجب ہے۔ اس بات کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے شیطان کی زبانی وارد ہوا ہے: اے آدم: ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں زندگانی جاودانی اور ایسی سلطنت کی رہنمائی کروں جو کہنہ نہ ہوگی؟''[2]

ایک روایت جو ''تفسیر قمی'' میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور ''عیون اخبار الرضا'' میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے مروی ہے؛ میں وارد ہوا ہے:

''شیطان نے آدم سے کہا کہ اگر تم نے اس شجرہ ممنوعہ سے کھالیا تو تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے، اور پھر ہمیشہ کے لئے بہشت میں رہو گے، ورنہ تمہیں بہشت سے باہر نکال دیا جائے گا''

آدم نے جب یہ سنا تو فکر میں ڈوب گئے لیکن شیطان نے اپنا حربہ مزید کارگر کرنے کے لئے سخت قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔[3]

حضرت آدم علیہ السلام کو آب حیات کی تمنا

آدم، جنہیں زندگی کا ابھی کافی تجربہ نہ تھا، نہ ہی وہ ابھی تک شیطان کے دھوکے، جھوٹ اور نیرنگ میں گرفتار ہوئے تھے، انہیں یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی اتنی بڑی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اور اس طرح کے جال، دوسرے کو گرفتار کرنے کے لئے پھیلا سکتا ہے، آخر کار وہ شیطان کے فریب میں آگئے اور آب حیات و سلطنت جاودانی حاصل کرنے کے شوق میں مکر ابلیسی کی بوسیدہ رسی کو پکڑ کے اس کے وسوسہ کے کنویں میں اتر گئے رسی ٹوٹ گئی اور انہیں نہ صرف آب حیات ہاتھ نہ آیا بلکہ خدا کی نافرمانی کے گرداب میں گرفتار ہو گئے ان تمام مطالب کو قرآن کریم نے اپنے ایک جملے میں خلاصہ کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے: ''اس طرح سے شیطان نے انہیں دھوکا دیا اور اس نے اپنی رسی سے انہیں کنویں میں اتار دیا''۔[4]

آدم کو چاہئے تھا کہ شیطان کے سابقہ دشمنی اور خدا کی وسیع حکمت و رحمت کے علم کی بنا پر اس کے جال کو پارہ پارہ کر دیتے اور اس کے کہنے میں نہ آتے لیکن جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہو گیا۔

''بس جیسے ہی آدم و حوا نے اس ممنوعہ درخت سے چکھا، فوراً ہی ان کے کپڑے ان کے بدن سے نیچے گر گئے اور ان کے اندام ظاہر ہو گئے''۔

مذکورہ بالا جملے سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت ممنوع سے چکھنے کے ساتھ ہی فوراً اس کا برا اثر ظاہر ہو گیا اور وہ اپنے بہشتی لباس سے جو فی الحقیقت خدا کی کرامت و احترام کا لباس تھا، محروم ہو کر برہنہ ہو گئے۔

اس جملہ سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آدم و حوا یہ مخالفت کرنے سے پہلے برہنہ نہ تھے بلکہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اگر

---

[1] سورۂ اعراف آیت 20

[2] سورۂ طٰہٰ آیت 120

[3] سورہ اعراف آیت 21

[4] سورہ اعراف آیت 22

چہ قرآن میں ان کپڑوں کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی لیکن جو کچھ بھی تھا وہ آدم وحوا کے وقار کے مطابق اور ان کے احترام کے لئے تھا، جو ان کی نافرمانی کے باعث ان سے واپس لے لیا گیا۔

لیکن خود ساختہ توریت میں اس طرح سے ہے:

آدم وحوا اس موقع پر بالکل برہنہ تھے لیکن اس برہنگی کی زشتی کو نہیں سمجھتے تھے، لیکن جس وقت انہوں نے اس درخت سے کھایا جو درحقیقت ''علم ودانش'' کا درخت تھا تو ان کی عقل کی آنکھیں کھل گئیں اور اب وہ اپنے کو برہنہ محسوس کرنے لگے اور اس حالت کی زشتی سے آگاہ ہو گئے۔

جس ''آدم'' کا حال اس خود ساختہ توریت میں بیان کیا گیا ہے، وہ فی الحقیقت آدم واقعی نہ تھا بلکہ وہ تو کوئی ایسا نادان شخص تھا جو علم ودانش سے اس قدر دور تھا کہ اسے اپنے ننگا ہونے کا بھی احساس نہ تھا لیکن جس ''آدم'' کا تعارف قرآن کراتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اپنی حالت سے باخبر تھا بلکہ اسرار آفرینش (علم اسما) سے بھی آگاہ تھا اور اس کا شمار معلم ملکوت میں ہوتا تھا، اگر شیطان اس پر اثر انداز بھی ہوا تو یہ اس کی نادانی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس نے ان کی پاکی اور صفائے نیت سے سوئے استفادہ کیا۔

اس بات کی تائید کلام الٰہی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

''اے اولاد آدم: کہیں شیطان تمہیں اس طرح فریب نہ دے جس طرح تمہارے والدین (آدم وحوا) کو دھوکا دے کر بہشت سے باہر نکال دیا اور ان کا لباس ان سے جدا کر دیا''۔[1]

اگر چہ بعض مفسرین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ آغاز میں حضرت آدم علیہ السلام برہنہ تھے تو واقعاً یہ ایک واضح اشتباہ ہے جو توریت کی تحریر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

بہر حال اس کے بعد قرآن کہتا ہے: ''جس وقت آدم وحوا نے یہ دیکھا تو فوراً بہشت کے درختوں کے پتوں سے اپنی شرم گاہ چھپانے لگے''۔

اس موقع پر خدا کی طرف سے یہ ندا آئی: ''کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم نے کس لئے میرے حکم کو بھلا دیا اور اس پست گرداب میں گھر گئے؟''[2]

شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟

قرآن کریم میں بلا تفصیل اور بغیر نام کے چھ مقام پر ''شجرہ ممنوعہ'' کا ذکر ہوا ہے لیکن کتب اسلامی میں اس کی تفسیر دو قسم کی ملتی ہے ایک تو اس کی تفسیر مادی ہے جو حسب روایات ''گندم'' ہے۔

اس بات کی طرف توجہ رہنا چاہئے کہ عرب لفظ ''شجرہ'' کا اطلاق صرف درخت پر نہیں کرتے بلکہ مختلف نباتات کو بھی ''شجرہ'' کہتے ہیں چاہے وہ جھاڑی کی شکل میں ہوں یا بیل کی صورت میں۔

دوسری تفسیر معنوی ہے جس کی تعبیر روایات اہل بیت علیہم السلام میں ''شجرہ حسد'' سے کی گئی ہے ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ آدم نے جب اپنا بلند ودرجہ دیکھا تو یہ تصور کیا کہ ان کا مقام بہت بلند ہے ان سے بلند کوئی مخلوق اللہ نے نہیں پیدا کی اس پر اللہ نے انہیں بتلایا کہ ان کی اولاد میں کچھ ایسے اولیاء الٰہی (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام) بھی ہیں جن کا درجہ ان سے بھی بلند وبالا

---

[1] سورہ اعراف آیت 27

[2] سورہ اعراف آیت 22

ہے اس وقت آدم میں ایک حالت حسد سے مشابہ پیدا ہوئی اور یہی وہ ''شجرہ ممنوعہ'' تھا جس کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ آدم نے (ان روایات کی بنا پر) دو درختوں سے تناول کیا ایک درخت تو وہ تھا جوان کے مقام سے نیچے تھا، اور انہیں مادی دنیا میں لے جاتا تھا اور وہ ''گندم'' کا پودا تھا دوسرا درخت معنوی تھا، جو مخصوص اولیائے الٰہی کا درجہ تھا اور یہ آدم کے مقام و مرتبہ سے بالاتر تھا آدم نے دونوں پہلوؤں سے اپنی حد سے تجاوز کیا اس لئے انجام میں گرفتار ہوئے۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رہے کہ یہ ''حسد'' حسد حرام کی قسم سے نہ تھا یہ صرف ایک نفسانی احساس تھا جبکہ انہوں نے اس طرف قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا تھا جیسا کہ ہم نے بار ہا کہا ہے کہ آیات قرآنی چونکہ متعدد معانی رکھتی ہیں لہٰذا اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ ''شجرہ'' سے دونوں معنی مراد لے لئے جائیں۔

اتفاقاً کلمہ ''شجرہ'' قرآن میں دونوں معنی میں آیا ہے، کبھی تو انہی عام درختوں [1] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور کبھی شجرہ معنوی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ [2]

لیکن یہاں پر ایک نکتہ ہے جس کی طرف توجہ دلانا مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودہ خود ساختہ توریت میں، جو اس وقت کے تمام یہود و نصاریٰ کی قبول شدہ ہے اس شجرہ ممنوعہ کی تفسیر ''شجرہ علم و دانش اور شجرہ حیات و زندگی'' کی گئی ہے توریت کہتی ہے:

''قبل اس کے آدم شجرہ علم و دانش سے تناول کریں، وہ علم و دانش سے بے بہرہ تھے حتیٰ کہ انہیں اپنی برہنگی کا بھی احساس نہ تھا جب انہوں نے اس درخت سے کھایا اس وقت وہ واقعی آدم بنے اور بہشت سے نکال دیئے گئے کہ مبادا درخت حیات و زندگی سے بھی کھالیں اور خداؤں کی طرح حیات جاویدانی حاصل کر لیں۔'' [3]

یہ عبارت اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ موجودہ توریت آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ کسی ایسے کم اطلاع انسان کی خود ساختہ ہے جو علم و دانش کو آدم کے لئے معیوب سمجھتا ہے، اور آدم کو علم و دانش حاصل کرنے کے جرم میں خدا کی بہشت سے نکالے جانے کا مستحق سمجھتا تھا، گویا بہشت فہمیدہ انسان کے لئے نہیں ہے۔ [4]

جنت سے اخراج

قرآن داستان حضرت آدم علیہ السلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے، بالآخر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا اور جس بہشت

---

[1] جیسے (وَشَجَرَةً تَخرُجُ من طُور سَينَاءَ تَنبُتُ بالدُّهن) جس سے مراد زیتون کا درخت ہے۔

[2] جیسے: (وَالشَّجَرَةَ المَلعُونَةَ فی القُرآن) جس سے مراد مشرکین یا یہودی یا دوسری باغی قومیں (جیسے بنی امیہ) ہیں

[3] سفر تکوین فصل دوم نمبر 17

[4] قابل توجہ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ولیم میلر (جسے عہدین خصوصاً انجیل کا ایک مقتدر مفسر مانا گیا ہے) اپنی کتاب ''مسیحیت چیست'' (مسیحیت کیا ہے) میں رقمطراز ہے:
''شیطان ایک سانپ کی شکل میں باغ کے اندر داخل ہوا اور اس نے حوا کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس درخت کے میوہ میں سے کھالیں چنانچہ حوّا نے خود بھی کھایا اور آدم کو کھانے کو دیا اور انہوں نے بھی کھایا، ہمارے اولین والدین کا یہ عمل ایک معمولی اشتباہ پر مبنی نہ تھا یا ایک بے سوچی سمجھی خطا بھی نہ تھی بلکہ اپنے خالق کے برخلاف ایک جانا بوجھا عصیان تھا دوسرے لفظوں میں وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ خود ''خدا'' بن جائیں وہ اس بات کے لئے آمادہ نہ تھے کہ خدا کے ارادہ کے مطیع بنیں بلکہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں نتیجہ کیا ہوا؟ خدا نے ان کی شدت سے سرزنش کی اور باغ (فردوس) سے باہر نکال دیا تاکہ درد و رنج سے بھری دنیا میں زندگی بسر کریں۔
توریت و انجیل کے اس مفسر نے درحقیقت یہ چاہا ہے کہ ''شجرہ ممنوعہ'' کی توجیہ کرے، لیکن اس کی بجائے عظیم ترین گناہ یعنی خدا سے جنگ کی نسبت آدم کی طرف دے دی کیا اچھا ہوتا کہ بجائے اس طرح کی کھوکھلی تفسیروں کے کم از کم اپنی ''کتب مقدسہ'' میں تحریف کے قائل ہو جاتے۔

میں وہ رہتے تھے اس سے باہر نکال دیا۔[1]

اس بہشت سے جو اطمینان و آسائش کا مرکز تھی، اور رنج و غم سے دور تھی شیطان کے دھوکے میں آ کر نکالے گئے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ زمین پر اُترو، جہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہوجاؤ گے (آدم وحوا ایک طرف اور شیطان دوسری طرف)''

مزید فرمایا گیا: ''تمہارے لئے ایک مدت معین تک زمین میں قرارگاہ ہے، جہاں سے تم نفع اندوز ہو سکتے ہو''[2]

یہ وہ مقام تھا کہ آدم متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور بہشت کے آرام دہ اور نعمتوں سے مالا مال ماحول سے شیطانی وسوسے کے سامنے سر جھکانے کے نتیجے میں باہر نکالے جا رہے ہیں اور اب زحمت و مشقت کے ماحول میں جا کر رہیں گے یہ صحیح ہے، کہ آدم نبی تھے اور گناہ سے معصوم تھے لیکن جیسا کہ ہم آئندہ چل کر بیان کریں گے کہ کسی پیغمبر سے جب ترک اولیٰ سرزد ہوجاتا ہے تو خداوند عالم اس سے اس طرح سخت گیری کرتا ہے جیسے کسی عام انسان سے گناہ سرزد ہونے پر سختی کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے

اس سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی جنت تھی جو نیک اور پاک لوگوں کی وعدہ گاہ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ بہشت نہ تھی بلکہ زمین کے سرسبز علاقوں میں نعمات سے مالا مال ایک روح پرور مقام تھا کیونکہ:

اوّل تو وہ بہشت جس کا وعدہ قیامت کے ساتھ ہے وہ ہمیشگی اور جاودانی نعمت ہے جس کی نشاندہی بہت سی آیات میں کی گئی ہے اور اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔

دوّم یہ کہ غلیظ اور بے ایمان ابلیس کے لئے اس بہشت میں جانے کی کوئی راہ نہ تھی وہاں نہ وسوسہ شیطانی ہے اور نہ خدا کی نافرمانی سوم یہ کہ اہل بیت سے منقول روایات میں یہ موضوع صراحت سے نقل ہوا ہے۔

ایک راوی کہتا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے آدم کی بہشت کے متعلق سوال کیا امام نے جواب میں فرمایا:

''دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی پڑتی تھی اگر آخرت کی جنتوں میں سے ہوتی تو کبھی بھی اس سے باہر نہ نکالے جاتے''۔

یہاں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آدم کے ہبوط و نزول سے مراد نزول مقام ہے، نہ کہ نزول مکان یعنی اپنے اس بلند مقام اور سرسبز جنت سے نیچے آئے۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جنت کسی آسمانی کرہ میں تھی اگرچہ وہ ابدی جنت نہ تھی، بعض اسلامی روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں تھی لیکن ممکن ہے لفظ ''سماءً'' (آسمان) ان روایات میں مقام بلند کی طرف اشارہ ہو۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 20، 21

[2] سورہ بقرہ آیت 36

تاہم بے شمار شواہد نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ جنت آخرت والی جنت نہ تھی کیونکہ وہ تو انسان کی سیر تکامل کی آخری منزل ہے اور یہ اس کے سفر کی ابتداء تھی اور اس کے اعمال اور پروگرام کی ابتداء تھی اور وہ جنت اس کے اعمال و پروگرام کا نتیجہ ہے۔[1]

آدم علیہ السلام کی بازگشت خدا کی طرف

وسوسۂ ابلیس اور آدم کے جنت سے نکلنے کے حکم جیسے واقعات کے بعد آدم متوجہ ہوئے کہ واقعاً انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اس اطمینان بخش اور نعمتوں سے مالا مال جنت سے شیطانی فریب کی وجہ سے نکلنا پڑا اور اب زحمت مشقت سے بھری ہوئی زمین میں رہیں گے اس وقت آدم اپنی غلطی کی تلافی کی فکر میں پڑے اور مکمل جان و دل سے پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے ایسی توجہ جو ندامت و حسرت کا ایک پہاڑ ساتھ لئے ہوئے تھی اس وقت خدا کا لطف و کرم بھی ان کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور جیسا کہ قرآن میں خداوند عالم کہتا ہے:

''آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات حاصل کئے جو بہت مؤثر اور انقلاب خیز تھے، ان کے ساتھ توبہ کی خدا نے بھی ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ تواب و رحیم ہے''۔[2]

یہ صحیح ہے کہ حضرت آدم نے حقیقت میں کوئی فعل حرام انجام نہیں دیا تھا لیکن یہی ترک اولیٰ ان کے لئے نافرمانی شمار ہوتا ہے، حضرت آدم فوراً اپنی کیفیت و حالت کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے پروردگار کی طرف پلٹے۔

انہیں چاہئے کہ ان اعمال سے گریز کریں اور اہم کام بجالائیں ورنہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ترک اولیٰ کیا ہے ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کچھ حصہ حضور قلب سے ہوتا ہے کچھ بغیر اس کے، یہ امر ہمارے مقام کے لئے تو مناسب ہے لیکن حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے شایان شان نہیں ان کی ساری نماز خدا کے حضور میں ہونی چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو کسی فعل حرام کا ارتکاب تو نہیں تاہم ترک اولیٰ ہے۔

بہر حال جو کچھ نہیں ہونا چاہئے تھا یا ہونا چاہئے تھا وہ ہوا اور باوجود یکہ آدم کی توبہ قبول ہوگئی لیکن اس کا اثر وضعی یعنی زمین کی طرف اترنا یہ متغیر نہ ہوا۔

خدا نے جو کلمات آدم علیہ السلام پر القا کئے وہ کیا تھے؟

توبہ کے لئے جو کلمات خدا نے آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائے تھے اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

---

[1] آدم کا گناہ کیا تھا: واضح ہے کہ آدم اس مقام کے علاوہ جو خدا نے قرآن مجید میں ان کے لئے بیان کیا ہے معرفت و تقویٰ کے لحاظ سے بھی بلند مقام پر فائز تھے وہ زمین میں خدا کے نمائندے تھے وہ فرشتوں کے معلم تھے وہ عظیم ملائکہ الٰہی کے مسجود تھے اور یہ مسلم ہے کہ آدم امتیازات و خصوصیات کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں کر سکتے تھے علاوہ ازیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر معصوم ہوتا ہے لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ کیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں تین تفاسیر موجود ہیں:

1۔ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولیٰ تھا دوسرے لفظوں میں ان کی حیثیت اور نسبت سے وہ گناہ تھا لیکن گناہ مطلق نہ تھا، گناہ مطلق وہ گناہ ہوتا ہے جو کسی سے سرزد ہو اور اس کے لئے سزا معین ہو (مثلاً شرک، کفر، ظلم اور تجاوز وغیرہ) اور نسبت کے اعتبار سے گناہ کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباح اعمال بلکہ مستحب بھی بڑے لوگوں کے مقام کے لحاظ سے مناسب نہیں

خدا کی نہی یہاں ''نہی ارشادی'' ہے جیسے ڈاکٹر کہتا ہے فلاں غذا نہ کھاؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے خدا نے بھی آدم سے فرمایا کہ اگر درخت ممنوعہ سے کچھ کھالیا تو بہشت سے باہر جانا پڑے گا اور رنج و تکلیف میں مبتلا ہونا پڑے گا، لہٰذا آدم علیہ السلام نے حکم خدا کی مخالفت نہیں کی بلکہ ''نہی ارشادی'' کی مخالفت کی ہے''۔

3۔ جنت بنیادی طور پر جائے تکلیف نہ تھی بلکہ وہ آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے لئے ایک آزمائش اور تیاری کا زمانہ تھا، اور یہ نہیں صرف آزمائش کا پہلو رکھتی تھی۔

[2] سورہ بقرہ آیت 37

مشہور ہے کہ وہ جملے یہ تھے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳

''ان دونوں نے کہا خدایا ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم زیاں کاروں اور خسارے میں رہنے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''[1]

کئی ایک روایات جو طرق اہل بیت علیہم السلام سے منقول ہیں، ان میں ہے کہ کلمات سے مراد خدا کی بہترین مخلوق کے ناموں کی تعلیم تھی یعنی محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام اور آدم نے ان کلمات کے وسیلے سے درگاہ الٰہی سے بخشش چاہی اور خدا نے انہیں بخش دیا۔[2]

آدم علیہ السلام کا ماجرا اور اس جہان پر ایک طائرانہ نظر

اگرچہ بعض ایسے مفسرین نے جو افکار غرب سے بہت زیادہ متاثر ہیں، اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کی داستان کو اول سے لے کر آخر تک تشبیہ، مجاز اور کنایہ کا رنگ دیں اور آج کی اصطلاح میں یوں کہیں کہ یہ ایک سمبولک (SIMBOLIC) تھا لہٰذا انھوں نے اس پوری بحث کو ظاہری مفہوم کے خلاف لیتے ہوئے معنوی کنایہ مراد لیا ہے۔

لیکن اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان آیات کا ظاہر ایک ایسے واقعی اور حقیقی ''قصہ'' پر مشتمل ہے جو ہمارے اولین ماں باپ کے لئے پیش آیا تھا چونکہ اس پوری داستان میں ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جو ظاہری عبارت سے میل نہ کھاتا ہو یا عقل کے خلاف ہو، اس لئے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے ظاہری مفہوم پر یقین نہ کیا جائے یا جو اس کے حقیقی معنی ہیں ان سے پہلوتہی کیا جائے۔

لیکن دراین حال اس حسی وعینی واقعہ میں انسان کی آئندہ زندگی کے متعلق بھی اشارے ہوسکتے ہیں۔[3]

زمین پر سب سے پہلا قتل

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا نام نہیں لیا گیا ہے، نہ اس جگہ اور نہ کسی اور مقام پر، لیکن اسلامی روایات کے مطابق ایک کا نام ہابیل ہے اور دوسرے کا قابیل تھا، موجودہ توریت کے سفر تکوین کے چوتھے باب میں ایک کا نام ''قائن'' اور دوسرے کا نام ''ہابیل'' تھا جیسا کہ مفسر معروف ''ابولفتوح رازی'' کہتے ہیں کہ ان دونوں ناموں کی مختلف لغت ہیں پہلے کا نام ''ہابیل'' یا ''ہابن'' تھا۔ دوسرے کا نام ''قابیل'' یا ''قابین'' یا ''قابل'' یا ''قابن'' یا ''قبن'' تھا۔

بہرحال اسلامی روایات کے متن اور توریت میں قابیل کے نام کے بارے میں اختلاف لغت کی طرف بازگشت ہے اور یہ

---

[1] سورہ اعراف آیت 23

[2] یہ تین قسم کی تفاسیر ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت آدم کو ان سب کلمات کی تعلیم دی گئی ہو کہ ان کلمات کی حقیقت اور باطنی گہرائی پر غور کرنے سے آدم میں مکمل طور پر انقلاب روحانی پیدا ہوا اور خدا انہیں اپنے لطف وہدایت سے نوازے۔

[3] یعنی: انسان کی اس پرجنجال زندگی میں بہت سے ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں جو قصہ آدم علیہ السلام وحوا سلام اللہ علیہا سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک طرف تو وہ انسان ہے جو قوت، عقل اور ہوا وہوس سے مرکب ہے، یہ دونوں طاقتیں اسے مختلف جہتوں میں کھینچ رہی ہیں، دوسری طرف کچھ ایسے جھوٹے رہبر ہیں جن کا ماضی شیطان کی طرح جانا پہچانا ہے اور وہ انسان کو اس بات پر اکسار ہے ہیں کہ عقل پر پردہ ڈال کر ہوا وہوس کو اختیار کرلوتا کہ یہ بے چارہ انسان پانی کی امید میں ''سراب'' کو آب سمجھ کر ریگستانوں میں بھٹک کر اپنی جان گنوا بیٹھے۔

کوئی اہم بات نہیں ہے۔[1]

یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک کے ہاتھوں دوسرے کے قتل کے بارے میں داستان بیان کی گئی ہے پہلے فرمایا: ''اے پیغمبر! انہیں آدم کے دو بیٹوں کا حقیقی قصہ سنا دیجئے''۔[2]

اس کے بعد واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''جب ہر ایک نے تقرب پروردگار کے لئے ایک کام انجام دیا تو ایک کا عمل تو قبول کر لیا لیکن دوسرے کا قبول نہ ہوا''۔[3]

مگر جو کام ان دونوں بھائیوں نے انجام دیا اس تذکرہ کا قرآن میں وجود نہیں ہے بعض اسلامی روایات اور توریت کے سفر تکوین باب چہارم میں جو کچھ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہابیل کے پاس چونکہ پالتو جانور تھے اس نے ان میں سے ایک بہترین پلا ہوا مینڈھا منتخب کیا، قابیل کسان تھا اس نے گندم کا گھٹیا حصہ یا گھٹیا آٹا اس کے لئے منتخب کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرزندان آدم کو کیسے پتہ چلا کہ ایک کا عمل بارگاہ ایزدی میں قبول ہو گیا ہے اور دوسرے کا عمل ردّ کر دیا گیا ہے قرآن میں اسکی بھی وضاحت نہیں ہے البتہ بعض اسلامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں اپنی مہیا شدہ چیزیں پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے قبولیت کے اظہار کے طور پر بجلی نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا اور اسے جلا دیا لیکن دوسری اپنی جگہ پر باقی رہی اور یہ نشانی پہلے سے رائج تھی۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ایک عمل کی قبولیت اور دوسرے کی ردّ حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتایا گیا اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ ہابیل ایک باصفا، باکردار اور راہ خدا میں سب کچھ کر گذرنے والا شخص تھا جبکہ قابیل تاریک دل، حاسد اور ہٹ دھرم تھا، قرآن نے دونوں بھائیوں کی جو گفتگو بیان کی ہے اس سے ان کی روحانی کیفیت اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے اسی وجہ سے جس کا عمل قبول نہ ہوا تھا ''اس نے دوسرے بھائی کو قتل کی دھمکی دی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا''۔[4]

---

[1] تعجب کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم نے اس لفظ کو قرآن پر اعتراض کی بنیاد بنا لیا ہے کہ قرآن نے ''قائن'' کو ''قابیل'' کیوں کہا ہے حالانکہ اول تو یہ اختلاف لغت ہے اور لغت میں ناموں کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے مثلاً توریت ''ابراہیم'' کو ''ابراہام'' لکھتی ہے قرآن میں اسے ''ابراہیم'' لکھا ہے ثانیاً بنیادی طور پر ''ہابیل'' کے نام قرآن میں مذکور ہی نہیں یہ اسماء تو اسلامی روایات میں آئے ہیں۔

ایسے شیطانوں کے بہکانے میں آ جانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے جسم سے ''لباس تقویٰ'' گر جاتا ہے اور اس کے اندرونی عیوب ظاہر و آشکارا ہو جاتے ہیں، دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقام قرب الٰہی سے دور ہو جاتا ہے اور انسان اپنے بلند مقام سے گر جاتا ہے اور سکون و اطمینان کی بہشت سے نکل کر حیات مادی کی مشکلات و آفات کے جنگلوں میں گھر جاتا ہے اس موقع پر بھی عقل کی طاقت اس کی مدد کر سکتی ہے اور اسے اس نقصان کی تلافی کا موقع فراہم کر سکتی ہے اور اسے خدا کی بارگاہ میں دوبارہ بھیج سکتی ہے تاکہ جرأت و صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کرے، ایسا اعتراف جو اس کی زندگی کی تعمیر نو کا ضامن ہو اور اس کی زندگی کا ایک نیا موڑ بن جائے، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب کہ دست رحمت الٰہی بار دیگر اس کی طرف دراز ہوتا ہے تاکہ اسے ہمیشہ کے انحطاط اور تنزل سے نجات دے، اگرچہ اپنے گذشتہ گناہ کا تلخ مزہ اس کے کام و دہن میں باقی رہ جاتا ہے جو اس کا ثر وضعی ہے، لیکن یہ ماجرا، اس کے لئے درس عبرت بن جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے شکست کے تجربہ سے اپنی حیات ثانیہ کی بنیاد مستحکم کر سکتا ہے اور اس کے نقصان و زیاں کے ذریعے سرور آئندہ فراہم کر سکتا ہے۔

[2] سورہ مائدہ آیت 27

[3] سورہ مائدہ آیت 27

[4] سورہ مائدہ آیت 27

لیکن دوسرے بھائی نے اسے نصیحت کی اور کہا کہ ''اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے تو اس میں میرا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ اعتراض تو تجھ پر ہونا چاہیے کیونکہ تیرے عمل میں تقویٰ شامل نہیں تھا اور خدا تو صرف پرہیزگاروں کا عمل قبول کرتا ہے''۔ [1]

مزید کہا کہ ''حتیٰ اگر تم اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناؤ اور میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاؤ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا اور تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، کیونکہ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور ایسے گناہ سے ہرگز اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کروں گا۔'' [2]

قرآن میں حضرت آدم کے بیٹوں کا واقعہ، ایک بھائی کا دوسرے کے ہاتھوں قتل اور قتل کے بعد کے حالات بیان کیے گئے ہیں، پہلے فرمایا: ''سرکش نفس نے بھائی کے قتل کے لئے اسے پختہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا''۔ [3]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہابیل کا عمل قبول ہو جانے کے بعد قابیل کے دل میں ایک طوفان پیدا ہو گیا ایک طرف دل میں ہر وقت حسد کی آگ بھڑکتی رہتی اور اسے انتقام پر ابھارتی اور دوسری طرف بھائی کا رشتہ، انسانی جذبہ گناہ، ظلم، بے انصافی اور قتل نفس سے ذاتی تنفر اسے اس جرم سے باز رکھنے کی کوشش کرتا، لیکن آخر کار سرکش نفس آہستہ آہستہ روکنے والے عوامل پر غالب آ گیا اور اس نے اس کے بیدار وجدان کو مطمئن کر دیا اور اسے جکڑ دیا اور بھائی کو قتل کرنے پر آمادہ کر دیا۔ [4]

ظلم کی پردہ پوشی

قابیل نے جب اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی لاش اس نے صحرا میں ڈال رکھی تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے زیادہ دیر نہ گذری کہ درندے ہابیل کے جسم کی طرف آنے لگے قابیل ضمیر کے شدید دباؤ کا شکار تھا بھائی کے جسم کو بچانے کے لئے وہ لاش کو ایک مدت تک کندھے پر لئے پھرتا رہا کچھ پرندوں نے پھر بھی اسے گھیر رکھا تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ کب اسے زمین پر پھینکتا ہے تا کہ وہ لاش پر جھپٹ پڑیں۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے اس موقع پر خدا تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا، مقصد یہ تھا کہ وہ زمین کھودے اور اس میں دوسرے مردہ کوّے کا جسم چھپا دے یا اپنے کھانے کی چیزوں کو زمین میں چھپا دے جیسا کہ کوے کی عادت ہے تا کہ قابیل سمجھ سکے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح سپرد خاک کرے۔

البتہ اس بات میں کوئی تعجب نہیں کہ انسان کوئی چیز کسی پرندے سے سیکھے کیونکہ تاریخ اور تجربہ شاہد ہیں کہ بہت سے جانور طبعی طور پر بعض معلومات رکھتے ہیں اور انسان نے اپنی پوری تاریخ میں جانوروں سے بہت کچھ سیکھا ہے یہاں تک کہ میڈیکل کی بعض کتب میں ہے کہ انسان اپنی بعض طبی معلومات میں حیوانات کا مرہون منت ہے،

افسوس اپنے اوپر

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: ''اس وقت قابیل اپنی غفلت اور جہالت سے پریشان ہو گیا اور چیخ اٹھا کہ وائے ہو مجھ

---

[1] سورہ مائدہ آیت 27

[2] سورہ مائدہ آیت 28

[3] سورہ مائدہ آیت 30

[4] سورہ مائدہ آیت 30

پر، کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ ناتواں اور عاجز ہوں، مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ میں اس کی طرح اپنے بھائی کا جسم دفن کردوں، بہرحال وہ اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہوا''۔[1]

کیا اس کی پشیمانی اس بنا پر تھی کہ اس کا گھٹیا اور برا عمل آخرکار اس کے ماں باپ پر اور احتمالی طور پر دوسرے بھائیوں پر آشکار ہوجائے گا اور وہ اسے بہت سرزنش کریں گے یا کیا یہ پشیمانی اس بنا پر تھی کہ کیوں میں ایک مدت تک بھائی کی لاش کندھے پر لئے پھرتا رہا اور اسے دفن نہ کیا اور یا پھر کیا یہ ندامت اس وجہ سے تھی کہ اصولی طور پر انسان ہر برا کام انجام دے لینے کے بعد اپنے دل میں ہر طرح کی پریشانی اور ندامت محسوس کرتا ہے لیکن واضح ہے کہ اس کی ندامت کی جو بھی وجہ ہو وہ اس کے گناہ سے توبہ کی دلیل نہیں ہے کیونکہ توبہ یہ ہے کہ ندامت خوف خدا کے باعث اور عمل کے برا ہونے کے احساس کی بنا پر ہو، اور یہ احساس اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ آئندہ ہرگز ایسا کام نہیں کرے گا، قرآن میں قابیل کی ایسی کسی توبہ کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ شاید قرآن میں ایسی توبہ کے نہ ہونے کی طرف ہی اشارہ ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے، آپ نے فرمایا:

''جس کسی انسان کا بھی خون بہایا جاتا ہے اس کی جوابدہی کا ایک حصہ قابیل کے ذمہ ہوتا ہے جس نے انسان کُشی کی اس بری سنت کی دنیا میں بنیاد رکھی تھی''۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا یہ واقعہ ایک حقیقی واقعہ ہے اس کے علاوہ کہ آیات قرآن اور اسلامی روایت کا ظاہری مفہوم اس کی واقعیت کو ثابت کرتا ہے اس کے ''بالحق'' کی تعبیر بھی جو قرآن میں آئی ہے اس بات پر شاہد ہے، لہٰذا جو لوگ قرآن میں بیان کئے گئے واقعہ کو تشبیہ، کنایہ یا علامتی (SIMBOLIC) داستان سمجھتے ہیں، بغیر دلیل کے ایسا کرتے ہیں۔[2]

آخرکار یہ برے لوگ اپنے شرمناک اور برے اعمال کے انجام سے آگاہ ہوجاتے ہیں اور ان پر پردہ ڈالنے اور انہیں دفن کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں اس موقع پر ان کی آرزوئیں ان کی مدد کو لپکتی ہیں، کوّا ان آرزوؤں کا مظہر ہے جو جلدی سے پہنچتا ہے اور انہیں ان کے جرائم پر پردہ پوشی کی دعوت دیتا ہے لیکن آخرکار انہیں خسارے، نقصان اور حسرت کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام

بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام کے دادا تھے ان کا نام توریت میں ''اخنوخ'' اور عربی میں ادریس علیہ السلام ہے جسے بعض ''درس'' کے مادہ سے سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قلم کے ساتھ خط لکھا، مقام نبوت کے علاوہ وہ علم نجوم علم ہیئت میں بھی ماہر تھے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے انسان کو لباس سینے کا طریقہ سکھایا۔

اس عظیم پیغمبر کے بارے میں قرآن میں صرف دو مرتبہ، وہ بھی مختصر سے اشاروں کے ساتھ بیان آیا ہے، ایک تو یہی سورہ مریم آیت 56 میں اور دوسرا سورہ انبیاء کی آیات 85 سے 86 میں، مختلف روایات میں ان کی زندگی کے بارے میں تفصیلی طور پر بیان کیا

---

[1] سورہ مائدہ آیت 31

[2] اس کے باوجود اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ حقیقی واقعہ اس جنگ کے لئے نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا ہو جو ہمیشہ سے مردان پاکباز، صالح و مقبول بارگاہ خدا انسانوں اور آلودہ، منحرف، کینہ پرور، حاسد اور ناجائز ہٹ دھرمی کرنے والوں کے درمیان جاری رہی ہے وہ لوگ کتنے پاکیزہ اور عظیم ہیں جنھوں نے ایسے برے لوگوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

گیا ہے کہ جسے ہم پورے کا پورا معتبر نہیں سمجھ سکتے۔ اسی وجہ سے ہم مذکورہ اشارے پر قناعت کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

قرآن مجید، بہت سی آیات میں نوح کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور مجموعی طور پر قرآن کی انتیس سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، ان کا نام 43 مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔

قرآن مجید نے ان کی زندگی کے مختلف حصوں کی باریک بینی کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے ایسے جو زیادہ تر تعلیم وتربیت اور پند ونصیحت کے پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

مؤرخین ومفسرین نے لکھا ہے کہ نوح کا نام ''عبدالغفار'' یا ''عبدالملک'' یا ''عبدالاعلیٰ'' تھا اور ''نوح'' کا لقب انہیں اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سالہا سال اپنے اوپر یا اپنی قوم پر نوحہ گریہ کرتے رہے۔ آپ کے والد کا نام ''لمک'' یا ''لامک'' تھا اور آپ کی عمر کی مدت میں اختلاف ہے، بعض روایات میں 1490 اور بعض میں 2500 سال بیان کی گئی ہے، اور ان کی قوم کے بارے میں بھی طولانی عمریں تقریباً 300 سال تک لکھی گئی ہیں، جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بہت طولانی عمر پائی ہے، اور قرآن کی صراحت کے مطابق آپ 950 سال اپنی قوم کے درمیان رہے (اور تبلیغ میں مشغول رہے)۔

نوح کے تین بیٹے تھے ''حام'' ''سام'' ''یافث'' اور مؤرخین کا نظریہ یہ ہے کہ کرۂ زمین کی اس وقت کی تمام نسل انسانی کی بازگشت انہیں تینوں فرزندوں کی طرف ہے ایک گروہ ''حامی'' نسل ہے جو افریقہ کے علاقہ میں رہتے ہیں دوسرا گروہ ''سامی'' نسل ہے جو شرق اوسط اور مشرق قریب کے علاقوں میں رہتے ہیں اور ''یافث'' کی نسل کو چین کے ساکنین سمجھتے ہیں۔

950 سال تبلیغ 7 مومن

اس بارے میں بھی، کہ نوح علیہ السلام طوفان کے بعد کتنے سال زندہ رہے، اختلاف ہے بعض نے پچاس سال لکھے ہیں اور بعض نے ساٹھ سال۔[1] نوح علیہ السلام کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام ''کنعان'' تھا جس نے باپ سے اختلاف کیا، یہاں تک کہ کشتی نجات میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوا اس نے برے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھی اور خاندان نبوت کے اقدار کو ضائع کر دیا اور قرآن کی صراحت کے مطابق آخر کار وہ بھی باقی کفار کے مانند طوفان میں غرق ہو گیا۔ اس بارے میں کہ اس طویل مدت میں کتنے افراد نوح علیہ السلام پر ایمان لائے، اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے، اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے 80 اور بعض نے 7 افراد لکھے ہیں۔

نوح علیہ السلام کی داستان عربی اور فارسی ادبیات میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے، اور زیادہ تر طوفان اور آپ کی کشتی نجات پر تکیہ ہوا ہے۔ نوح علیہ السلام صبر وشکر اور استقامت کی ایک داستان تھے، اور محققین کا کہنا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انسانوں کی ہدایت کے لئے وحی کی منطق کے علاوہ عقل واستدلال کی منطق سے بھی مدد لی (جیسا کہ سورہ نوح کی آیات سے اچھی طرح ظاہر ہے) اور اسی بناء پر آپ اس جہان کے تمام خدا پرستوں پر ایک عظیم حق رکھتے تھے۔

---

[1] یہود کے منابع (موجودہ توریت میں بھی نوح کی زندگی کے بارے میں تفصیلی بحث آئی ہے، جو کئی لحاظ سے قرآن سے مختلف ہے اور توریت کی تحریف کی نشانیوں میں سے ہے، یہ مباحث توریت کے سفر ''تکوین'' میں فصل 6، 7، 8، 9 اور 10 میں بیان ہوئے ہیں

قوم نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قیام اوران کے اپنے زمانے کے متکبروں کے ساتھ شدید اور مسلسل جہاد اوران کے برے انجام کی داستان تاریخ بشر کے فراز میں ایک نہایت اہم اور بہت عبرت انگیز درس کی حامل ہے۔

قرآن مجید پہلے مرحلے میں اس عظیم دعوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور اس نے انہیں بتایا کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں''۔[1]

اس کے بعد اپنی رسالت کے مضمون کو صرف ایک جملہ میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے میرا پیغام یہ ہے کہ ''اللہ'' کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہ کرو۔[2] پھر بلا فاصلہ اس کے پیچھے اسی مسئلہ انذار اور اعلام خطر کو تکرار کرتے ہوئے کہا: ''میں تم پر دردناک دن سے ڈرتا ہوں''۔[3]

اصل میں اللہ (خدائے یکتا و یگانہ) کی توحید اور عبادت ہی تمام انبیاء کی دعوت کی بنیاد ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ پہلا ردّعمل اس زمانے کے طاغوتوں، خودسروں اور صاحبان زر وزور کا اس عظیم دعوت اور واضح اعلام خطر کے مقابلے میں کیا تھا مسلماً سوائے کچھ بیہودہ اور جھوٹے عذر بہانوں اور بے بنیاد استدلالوں کے علاوہ کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جیسا کہ ہر زمانے کے جابروں کا طریقہ ہے۔

انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین جواب دیئے: ''قوم نوح علیہ السلام کے سردار اور سرمایہ دار کافر تھے انہوں نے کہا: ہم تو تجھے صرف اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں''۔[4]

حالانکہ اللہ کی رسالت اور پیغام تو فرشتوں کو اپنے کندھوں پر لینا چاہئے نہ کہ ہم جیسے انسانوں کو، اس گمان کے ساتھ کہ انسان کا مقام فرشتوں سے نیچے ہے یا انسان کی ضرورت کو فرشتہ انسان سے بہتر جانتا ہے۔

امام زادوں کو زائرین کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ: انہوں نے کہا: اے نوح علیہ السلام: ''ہم تیرے گردوپیش اور ان کے درمیان کہ جنہوں نے تیری پیروی کی ہے سوائے چند پست، ناآگاہ اور بے خبر تھوڑے سن وسال کے نوجوانوں کے کہ جنہوں نے مسائل کی دیکھ بھال نہیں کی کسی کو نہیں دیکھتے''۔

کسی رہبر اور پیشوا کی حیثیت اور اس کی قدر و قیمت اس کے پیروکاروں سے پہچانی جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق صاحب مزار کو اس کے زائرین سے پہچانا جاتا ہے جب ہم تمہارے پیروکاروں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں چند ایک بے بضاعت، گمنام، فقیر اور غریب لوگ ہی نظر آتے ہیں جن کا سلسلہ روزگار بھی نہایت ہی معمولی ہے تو پھر ایسی صورت میں تم کس طرح امید کر سکتے ہو کہ مشہور و معروف دولت منداور نامی گرامی لوگ تمہارے سامنے سر تسلیم خم کر لیں گے۔؟

ہم اور یہ لوگ کبھی بھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے ہم نہ تو کبھی ایک دستر خوان پر بیٹھے ہیں اور نہ ہی ایک چھت کے نیچے اکھٹے

---

[1] سورہ ہود آیت 25

[2] سورہ ہود آیت 26

[3] سورہ ہود آیت 26

[4] سورہ ہود آیت 27

ہوئے ہیں تمہیں ہم سے کیسی غیر معقول توقع ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچے تھے کہ کسی پیشوا کو اس کے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے شخصیت کے مفہوم اور معیار کو اچھی طرح نہیں پہچانا تھا۔ان کے نزدیک شخصیت کا معیار مال و دولت لباس و گھر اور خوبصورت و قیمتی سواری تھا لیکن طہارت، تقویٰ، حق جوئی جیسے اعلیٰ انسانی صفات سے غافل تھے جو غریبوں میں زیادہ اور امیروں میں کم پائی جاتی ہیں۔

طبقاتی اونچ نیچ بدترین صورت میں ان کی افکار پر حکم فرما تھی۔اسی لئے وہ غریب لوگوں کو ''اراذل''، ذلیل سمجھتے تھے۔

اور اگر وہ طبقاتی معاشرے کے قید خانے سے باہر نکل کر سوچتے اور باہر کی دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ ایسے لوگوں کا ایمان اس پیغمبر کی حقانیت اور اس کی دعوت کی سچائی پر بذات خود ایک دلیل ہے۔

اور یہ جو انہیں ''بادی الرای'' (ظاہر بین بے مطالعہ اور وہ شخص جو پہلی نظر میں کسی چیز کا عاشق اور خواہاں ہوتا ہے)؛ کا نام دیا ہے حقیقت میں اس بناء پر ہے کہ وہ ہٹ دھرمی اور غیر مناسب تعصّبات جو دوسروں میں تھے وہ نہیں رکھتے تھے بلکہ زیادہ تر پاک دل نوجوان تھے جو حقیقت کی پہلی کرن کو جوان کے دل پر پڑتی تھی جلدی محسوس کر لیتے تھے وہ اس بیداری کے ساتھ جو کہ حق کی تلاش سے حاصل ہوتی ہے، صداقت کی نشانیاں، انبیاء کے اقوال و افعال کا ادراک کر لیتے تھے۔[1]

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ قطع نظر اس سے کہ تو انسان ہے نہ کہ فرشتہ، علاوہ ازیں تجھ پر ایمان لانے والے نشاندہی کرتے ہیں کہ تیری دعوت کے مشتملات صحیح نہیں ہیں ''اصولی طور پر تم ہم پر کسی قسم کی برتری نہیں رکھتے کہ جس کی بناء پر ہم تمہاری پیروی کریں''۔[2]

''لہٰذا ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو''۔[3]

حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات

قرآن میں ان بہانہ جو اور افسانہ ساز افراد کو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے دیئے گئے جوابات ذکر کئے گئے ہیں پہلے ارشاد ہوتا ہے:

اے قوم: ''میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور معجزہ کا حامل ہوں اور اس نے اس رسالت و پیغام کی انجام دہی کی وجہ سے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور یہ امر اگر عدم توجہ کی وجہ سے تم سے مخفی ہو تو کیا پھر بھی تم میری رسالت کا انکار کر سکتے ہو اور میری پیروی سے دستبردار ہو سکتے ہو''۔[4]

یہ جواب قوم نوح علیہ السلام کے مستکبرین کے تین سوالوں میں سے کس کے ساتھ مربوط ہے؟ مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن غور و خوض سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ جامع جواب تینوں اعتراضات کا جواب بن سکتا ہے کیونکہ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ تم انسان ہو آپ نے فرمایا یہ بجا ہے کہ میں تمہاری طرح کا ہی انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہوئی ہے اور

---

[1] سورہ ہود آیت 27

[2] سورہ ہود آیت 27

[3] سورہ ہود آیت 27

[4] سورہ ہود آیت 28

اس نے مجھے کھلی اور واضح نشانیاں دی ہیں اس بناء پر میری انسانیت اس عظیم رسالت سے مانع نہیں ہوسکتی اور یہ ضروری نہیں کہ میں فرشتہ ہوتا۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تمہارے پیروکار بے فکر اور ظاہر بین افراد ہیں۔آپ نے فرمایا تم بے فکر اور بے سمجھ ہو جو اس واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو حالانکہ میرے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو ہر حقیقت کے متلاشی انسان کے لئے کافی ہیں اور اسے قائل کر سکتے ہیں مگر تم جیسے افراد جو غرور، خودخواہی، تکبر اور جاہ طلبی کا پردہ اوڑھے ہوئے ہیں ان کی حقیقت بین آنکھ بیکار ہو چکی ہے۔

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ وہ کہتے تھے: ہم کوئی برتری اور فضیلت تمہارے لئے اپنی نسبت نہیں پاتے، آپ نے فرمایا: اس سے بالاتر کون سی برتری ہوگی کہ خدا نے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور واضح مدارک و دلائل میرے اختیار میں دیئے ہیں اس بناء پر ایسی کوئی وجہ نہیں کہ تم مجھے جھوٹا خیال کرو کیونکہ میری گفتگو کی نشانیاں ظاہر ہیں۔

''کیا میں تمہیں اس ظاہر بظاہر بینہ کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں جبکہ تم خود اس پر آمادہ نہیں ہو اور اسے قبول کرنا بلکہ اس کے بارے میں غور و فکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے ہو''۔

میں کسی صاحب ایمان کو نہیں دھتکارتا

''اے قوم: میں اس دعوت کے بدلے تم سے مال و ثروت اور اجر و جزا کا مطالبہ نہیں کرتا''۔[1]

یہ امر اچھی طرح سے نشاندہی کرتا ہے کہ اس پروگرام سے میرا کوئی مادی ہدف نہیں، میں سوائے خدا کے معنوی و روحانی اجر کے سوا کچھ بھی نہیں سوچتا اور کوئی جھوٹا مدعی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس قسم کے سرد رد، ناراحتی اور بے آرامی کو یوں ہی اپنے لئے خرید لے اور یہ سچے رہبروں کی پہچان کے لئے ایک میزان ہے، ان جھوٹے موقع پرستوں کے مقابلے میں، کہ وہ جب بھی کوئی قدم اٹھاتے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اس سے ان کا کوئی نہ کوئی مادی ہدف اور مقصد ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کے جواب میں جنہیں اصرار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام، اپنے اوپر ایمان لانے والے غریب حقیر اور کم عمر افراد کو خود سے دور کر دیں حضرت نوح علیہ السلام (حتمی طور پر فیصلہ سناتے ہوئے) کہتے ہیں: ''کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اور دوسرے جہان میں اس کے سامنے میرے ساتھ ہوں گے''۔[2]

آخر میں انہیں بتایا گیا ہے: ''میں سمجھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو''۔[3]

''اے قوم اگر میں ان باایمان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کے سامنے (اس عظیم عدالت میں بلکہ اس جہان میں) کون میری مدد کرے گا''۔[4]

''کیا تم کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہو''۔[5] جان لو کہ جو کچھ میں کہتا ہوں عین حقیقت ہے۔

---

[1] سورہ ہود میں 29

[2] سورہ ہود آیت 29

[3] سورہ ہود آیت 29

[4] سورہ ہود آیت 30

[5] سورہ ہود آیت 30

خدائی خزانے میرے قبضہ میں نہیں ہیں

اپنی قوم کے مہمل اعتراضات کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام آخری بات کہتے ہیں کہ اگر تم خیال کرتے ہو اور توقع رکھتے ہو کہ وحی اور اعجاز کے سوا میں تم پر کوئی امتیاز یا برتری رکھوں، تو یہ غلط ہے میں صراحت سے کہنا چاہتا ہوں ''میں نہ تم سے کہتا ہوں کہ خدائی خزانے میرے قبضے میں ہیں اور نہ ہر کام جب چاہوں انجام دے سکتا ہوں'' نہ میں غیب سے آگاہی کا دعویٰ کرتا ہوں ''اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں''۔ [1]

ایسے بڑے اور جھوٹے دعوے جھوٹے مدعیوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایک سچا پیغمبر کبھی ایسے دعوے نہیں کرے گا کیونکہ خدائی خزانے اور علم غیب صرف خدا کی پاک ذات کے اختیار میں ہیں اور فرشتہ ہونا بھی ان بشری احساسات سے مناسبت نہیں رکھتا لہٰذا جو شخص ان تین میں سے کوئی ایک دعویٰ کرے یا یہ سب دعوے کرے تو یہ اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

آخر میں دوبارہ مستضعفین کا ذکر کرتے ہوئے تاکیداً کہا گیا ہے ''میں ہرگز ان افراد کے بارے میں جو تمہاری نگاہ میں حقیر ہیں، نہیں کہہ سکتا کہ خدا انہیں کوئی جزائے خیر نہیں دے گا'' [2] بلکہ اس کے برعکس اس جہان اور اس جہان کی خیر، انہی کے لئے ہے اگر چہ ان کا ہاتھ مال و دولت سے خالی ہے یہ تو تم ہو جنہوں نے خام خیالی کی وجہ سے خیر کو مال و مقام یا سن و سال میں منحصر سمجھ لیا ہے اور تم حقیقت سے بالکل بے خبر ہو۔

اور بالفرض اگر تمہاری بات سچی ہو اور وہ پست اور اوباش ہوں تو خدا ان کے باطن سے آگاہ ہے۔

میں تو ان میں ایمان اور صداقت کے سوا کچھ نہیں پاتا، لہٰذا میری ذمہ داری ہے کہ میں انہیں قبول کرلوں، میں تو ظاہر پر مامور ہوں اور بندہ شناس خدا ہے۔ ''اور اگر میں اس کے علاوہ کچھ کروں تو یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا''۔ [3]

کہاں ہے عذاب؟

قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والی باقی گفتگو کی طرف اشارہ ہوا ہے قرآن میں پہلے قوم نوح علیہ السلام کی زبانی نقل ہے کہ انہوں نے کہا: ''اے نوح: تم نے یہ سب بحث و تکرار اور مجادلہ کیا ہے اب بس کرو، تم نے ہم سے بہت باتیں کی ہیں اب بحث مباحثے کی گنجائش نہیں رہی،'' اگر سچے ہو تو خدائی عذابوں کے بارے میں جو سخت وعدے تم نے ہم سے کئے ہیں انہیں پورا کر دکھاؤ اور وہ عذاب لے آؤ۔ [4]

یہ بعینہ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص یا کچھ اشخاص کسی مسئلے کہ بارے میں ہم سے بات کریں اور ضمناً ہمیں دھمکیاں بھی دیں اور کہیں کہ اب زیادہ باتیں بند کرو اور جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو اور دیر نہ کرو، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہم نہ تو تمہارے دلائل کو کچھ سمجھتے ہیں نہ تمہاری دھمکیوں سے ڈرتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ ہم تمہاری بات سن سکتے ہیں۔ انبیاء الٰہی کے لطف و محبت اور ان کی وہ گفتگو جو صاف و شفاف اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتی ہے اس طرز عمل کا انتخاب انتہائی ہٹ دھرمی تعصب اور جہالت کی ترجمانی

---

[1] سورہ ہود آیت 31

[2] سورہ ہود آیت 31

[3] سورہ ہود آیت 31

[4] سورہ ہود آیت 32

کرتا ہے۔

قوم نوح علیہ السلام کی اس گفتگو سے ضمناً یہ بھی اچھی طرح سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی ہدایت کے لئے بہت طویل مدت تک کوشش کی اور انہیں ارشاد و ہدایت کے لئے آپ نے ہر موقع سے استفادہ کیا، آپ نے اس قدر کوشش کی کہ اس گمراہ قوم نے آپ کی گفتار اور ارشادات پر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں جو دیگر تفصیل آئی ہے اس سے بھی یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے، یہ مفہوم تفصیلی طور پر بیان ہوا ہے: ''پروردگارا: میں نے اپنی قوم کو دن رات تیری طرف بلایا لیکن میری اس دعوت پر ان میں فرار کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا میں نے جب انہیں پکارا تاکہ تو انہیں بخش دے، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے لباس اپنے اوپر لپیٹ لئے انہوں نے مخالفت پر اصرار کیا اور غرور تکبر کا مظاہرہ کیا میں نے پھر بھی انہیں دعوت دی، میں نے پیہم اصرار کیا مگر انہوں نے کسی طرح بھی میری باتوں کی طرف کان نہ دھرے''۔ [1]

حضرت نوح علیہ السلام نے اس بے اعتنائی، ہٹ دھرمی اور بے ہودگی کا یہ مختصر جواب دیا: ''خدا ہی چاہے تو ان دھمکیوں اور عذاب کے وعدوں کو پورا کرسکتا ہے''۔ [2]

لیکن بہرحال یہ چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور میرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے میں تو اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم ہوں، لہٰذا سزا اور عذاب کی خواہش مجھ سے نہ کرو، لیکن یہ جان لو کہ جب عذاب کا حکم آپہنچے گا تو پھر تم اس کے احاطۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے اور کسی پناہ گاہ کی طرف فرار نہیں کرسکتے۔ [3]

معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ

قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت بیان ہوئی ہے اس کے درحقیقت مختلف مراحل ہیں ان میں سے ہر مرحلہ متکبرین کے خلاف حضرت نوح علیہ السلام کے قیام کے ایک دور سے مربوط ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی مسلسل اور پرعزم دعوت کے مرحلے کا تذکرہ تھا جس کے لئے انہوں نے تمام تر وسائل سے استفادہ کیا یہ مرحلہ ایک طویل مدت پر مشتمل تھا اس میں ایک چھوٹا سا گروہ آپ پر ایمان لایا، یہ گروہ ویسے تو مختصر سا تھا لیکن کیفیت اور استقامت کے لحاظ سے بہت عظیم تھا۔

قرآن میں اس قیام کے دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ مرحلہ دور تبلیغ کے اختتام کا تھا جس میں خدا کی طرف سے معاشرے کو برے لوگوں سے پاک کرنے کی تیاری کی جانا تھی پہلے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ جو افراد ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا''۔ [4]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ صفیں بالکل جدا ہوچکی ہیں، اب ایمان اور اصلاح کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں اور اب معاشرے کی پاکیزگی اور آخری انقلاب کے لئے تیار ہوجانا چاہئے اس گفتگو کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی اور دلجوئی کے لئے فرمایا

---

[1] نوح آیات 5 تا 13

[2] سورہ ہود آیت 33

[3] سورہ ہود آیت 33

[4] سورہ ہود آیت 21

گیا ہے: ''اب جب معاملہ یوں ہے تو جو کام تم انجام دے رہے ہو اس پر کوئی حزن وملال نہ کرو''۔ [1]

مربوط آیت سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اسرار غیب کا کچھ حصہ جہاں ضروری ہوتا ہے اپنے پیغمبر کے اختیار میں دے دیتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی گئی ہے کہ آئندہ ان میں سے کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا، بہر حال ان گناہگار اور ہٹ دھرم لوگوں کو سزا ملنی چاہئے، ایسی سزا جو عالم ہستی کو ان کے وجود کی گندگی سے پاک کر دے اور مومنین کو ہمیشہ کے لئے ان کے چنگل سے نجات دے دے، ان کے غرق ہونے کا حکم ہو چکا ہے لیکن ہر چیز کے لئے کچھ وسائل واسباب ہوتے ہیں لہٰذا نوح کو چاہئے کہ وہ سچے مومنین کے بچنے کے لئے ایک مناسب کشتی بنائیں تا کہ ایک تو مومنین کشتی بننے کی اس مدت میں اپنے طریق کار میں پختہ تر ہو جائیں اور دوسروں کے لئے بھی کافی اتمام حجت ہو جائے۔

کشتی نوح علیہ السلام

''ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے حضور میں اور ہمارے فرمان کے مطابق کشتی بنائیں''۔ [2]

لفظ ''وحینا'' سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی شکل وصورت کی تشکیل بھی حکم خدا سے سیکھ رہے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام آنے والے طوفان اور اس کی کیفیت ووسعت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ کشتی اس مناسبت سے بناتے اور یہ وحی الٰہی ہی تھی جو بہترین کیفیتوں کے انتخاب میں ان کی مددگار تھی۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کو خبردار کیا گیا ہے: ''آج کے بعد ظالم افراد کے لئے شفاعت اور معافی کا تقاضا نہ کرنا کیونکہ انہیں عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ حتماً غرق ہو جائیں گے''۔ [3]

کشتی بنا رہے ہو در یا بھی بناؤ

اب چند جملے قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی سن لیں: وہ بجائے اس کے کہ ایک لمحہ کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو غور سے سنتے، اسے سنجیدگی سے لیتے اور کم از کم انہیں یہ احتمال ہی ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بار بار کے اصرار اور تکرار دعوت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہی ہو اور ہو سکتا ہے طوفان اور عذاب کا معاملہ حتمی اور یقینی ہی ہو، الٹا انہوں نے تمام مستکبر اور مغرور افراد کی عادت کا مظاہرہ کیا اور تمسخر واستہزاء کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی قوم کا کوئی گروہ جب کبھی ان کے نزدیک سے گزرتا اور حضرت نوح اور ان کے اصحاب کو لکڑیاں اور میخیں وغیرہ مہیا کرتے دیکھتا اور کشتی بنانے میں سرگرم عمل پاتا تو مذاق اڑاتا اور پھبتیاں کستے ہوئے گزر جاتا''۔ [4]

کہتے ہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کے اشراف کے مختلف گروہوں کے ہر دستے نے تمسخر اور تفریح وطبع کے لئے اپنا ہی ایک انداز اختیار کر رکھا تھا۔

ایک کہتا تھا: ''اے نوح علیہ السلام دعوائے پیغمبری کا کاروبار نہیں چل سکا تو بڑھئی بن گئے، دوسرا کہتا تھا: کشتی بنا رہے ہو؟ بڑا اچھا

---

[1] سورہ ہود آیت 3

[2] سورہ ہود آیت 37

[3] سورہ ہود آیت 37

[4] سورہ ہود آیت 38

ہے البتہ کشتی کے لئے دریا بھی بناؤ، کبھی کوئی عقلمند دیکھا ہے جو خشکی کے بیچ میں کشتی بنائے؟

ان میں سے کچھ کہتے تھے: اتنی بڑی کشتی کس لئے بنا رہے ہو اگر کشتی بنانا ہی ہے تو ذرا چھوٹی بنالو جسے ضرورت پڑے تو دریا کی طرف لے جانا تو ممکن ہو۔

ایسی باتیں کرتے تھے اور قہقہے لگا کر ہنستے ہوئے گزر جاتے تھے یہ باتیں گھروں میں ہوتیں۔ کام کاج کے مراکز میں یہ گفتگو ہوتیں گویا اب بحثوں کا عنوان بن گئی وہ ایک دوسرے سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کی کوتاہ فکری کے بارے میں باتیں کرتے اور کہتے: اس بوڑھے کو دیکھو آخر عمر میں کس حالت کو جا پہنچا ہے اب ہم سمجھے کہ اگر ہم اس کی باتوں پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے ٹھیک ہی کیا اس کی عقل تو بالکل ٹھکانے نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام بڑی استقامت اور پامردی سے اپنا کام بے پناہ عزم کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اور یہ ان کے ایمان کا نتیجہ تھا وہ ان کو رباطن دل کے اندھوں کی بے بنیاد باتوں سے بے نیاز اپنی پسند کے مطابق تیزی سے پیشرفت کر رہے تھے اور دن بدن کشتی کا ڈھانچہ مکمل ہو رہا تھا کبھی کبھی سر اٹھا کر ان سے یہ پر معنی بات کہتے: ''اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی جلدی ہی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے''۔ [1]

وہ دن کہ جب تم طوفان کے درمیان سرگرداں ہوکر، سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر بھاگو گے اور تمہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی موجوں میں گھرے فریاد کرو گے کہ ہمیں بچالو جی ہاں اس روز مومنین تمہاری غفلت اور جہالت پر مذاق اڑائیں گے ''اس روز دیکھنا کہ کس کے لئے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کسے دائمی سزا دامن گیر ہوتی ہے''۔ [2]

اس میں شک نہیں کہ کشتی نوح کوئی عام کشتی نہ تھی کیونکہ اس میں سچے مومنین کے علاوہ ہر نسل کے جانور کو بھی جگہ ملی تھی اور ایک مدت کے لئے ان انسانوں اور جانوروں کو جو خوراک درکار تھی وہ بھی اس میں موجود تھی ایسی لمبی چوڑی کشتی یقیناً اس زمانے میں بے نظیر تھی یہ ایسی کشتی تھی جو ایسے دریا کی کوہ پیکر موجود میں صحیح وسالم رہ سکے اور نابود نہ ہو جس کی وسعت اس دنیا جتنی ہو، اسی لئے مفسرین کی بعض روایات میں ہے کہ اس کشتی کا طول ایک ہزار دو سو ذراع تھا اور عرض چھ سو ذراع تھا (ایک ذراع کی لمبائی تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے)۔

بعض اسلامی روایات میں ہے کہ ظہور طوفان سے چالیس سال پہلے قوم نوح علیہ السلام کی عورتوں میں ایک ایسی بیماری پیدا ہوگئی تھی کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا یہ دراصل ان کے لئے سزا کی تمہید تھی۔

آغاز طوفان

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور سچے مومنین نے کشتی نجات بنانا شروع کی اور انہیں کیسی کیسی مشکلات آئیں اور بے ایمان مغرور اکثریت نے کس طرح ان کا تمسخر اڑایا اس طرح تمسخر اڑانے والوں نے کس طرح اپنے آپ کو اس طوفان کے لئے تیار کیا جو سطح زمین کو بے ایمان مستکبرین کے منحوس وجود سے پاک کرنے والا تھا۔

یہاں پر اس سرگزشت کے تیسرے مرحلے کے بارے میں قرآن گویا اس ظالم قوم پر نزول عذاب کی بولتی ہوئی تصویر کو

---

[1] سورہ ہود آیت 38

[2] سورہ ہود آیت 39

لوگوں کے سامنے پیش کررہا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''یہ صورت حال یونہی تھی یہاں تک کہ ہمارا حکم صادر ہوا اور عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے پانی تنور کے اندر سے جوش مارنے لگا''۔[1]

اس بارے میں کہ طوفان کے نزدیک ہونے سے تنور سے پانی کا جوش مارنا کیا مناسبت رکھتا ہے مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔[2]

موجودہ احتمالات میں سے یہ احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''تنور'' اپنے حقیقی اور مشہور معنی میں آیا ہے اور ہوسکتا ہے اس سے مراد کوئی خاص تنور بھی نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ اس سے یہ نکتہ بیان کرنا مقصود ہو کہ تنور جو عام طور پر آگ کا مرکز ہے جب اس میں سے پانی جوش مارنے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب متوجہ ہوئے کہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور انقلاب قریب تر ہے یعنی کہاں آگ اور کہاں پانی بالفاظ دیگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ زیر زمین پانی کی سطح اس قدر اوپر آ گئی ہے کہ وہ تنور کے اندر سے جو عام طور پر خشک، محفوظ اور اونچی جگہ بنایا جاتا ہے، جوش مار رہا ہے تو وہ سمجھ گئے کہ کوئی اہم امر درپیش ہے اور قدرت کی طرف سے کسی نئے حادثے کا ظہور ہے۔ اور یہی امر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے لئے خطرے کا الارم تھا کہ وہ اٹھ کر کھڑے ہوں اور تیار رہیں۔

شاید غافل اور جاہل قوم نے بھی اپنے گھروں کے تنور میں پانی کو جوش مارتے دیکھا ہو بہرحال وہ ہمیشہ کی طرح خطرے کے ان پر معنی خدائی نشانات سے آنکھ کان بند کیے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی غور وفکر کی زحمت نہ دی کہ شاید شرف تکوین میں کوئی حادثہ پوشیدہ ہو اور شاید حضرت نوح علیہ السلام جن واقعات کی خبر دیتے تھے ان میں سچائی ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں ''تنور'' مجازی اور کنائی معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ غضب الٰہی کے تنور میں جوش پیدا ہوا اور وہ شعلہ ور ہوا اور یہ تباہ کن خدائی عذاب کے نزدیک ہونے کے معنی میں ہے ایسی تعبیر فارسی اور عربی زبان میں استعمال ہوتی ہیں کہ شدت غضب کو آگ کے جوش مارنے اور شعلہ ور ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اس وقت نوح علیہ السلام کو ''ہم نے حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جفت (نر اور مادہ کا جوڑا) کشتی میں سوار کرلو''۔ تا کہ غرقاب ہو کر ان کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔

''اور اسی طرح اپنے خاندان میں سے جن کی ہلاکت کا پہلے سے وعدہ کیا جا چکا ہے ان کے سوا باقی افراد کو سوار کرلو نیز مومنین کو کشتی میں سوار کرلو''۔[3]

نوح علیہ السلام کا بیٹا بدکاروں کے ساتھ رہا

یہ قرآن ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام کی بے ایمان بیوی اور ان کے بیٹے کنعان کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی داستان آئندہ صفحات میں آئے گی جنہوں نے راہ ایمان سے انحراف کیا اور گنہگاروں کا ساتھ دینے کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام سے اپنا رشتہ

---

[1] سورہ ہود آیت 30

[2] بعض نے کہا ہے کہ تنور سے پانی کا جوش مارنا خدا کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے ایک نشانی تھی تا کہ وہ اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس موقع پر وہ اور ان کے اصحاب ضروری اسباب ووسائل لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں۔

[3] سورہ ہود آیت 40

توڑ لیا وہ اس کشتی نجات میں سوار ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں سوار ہونے کی پہلی شرط ایمان تھی۔

دوسری طرف یہ قرآن اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنے دین و آئین کی تبلیغ کے لئے سالہا سال بہت طویل اور مسلسل کوشش کی اس کا نتیجہ بہت تھوڑے سے افراد مومنین کے سوا کچھ نہ تھا بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد صرف اسی (80) افراد تھی یہاں تک کہ بعض نے تو اس سے بھی کم تعداد لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے کس حد تک استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان میں سے ایک ایک فرد کے لئے اوسطاً کم از کم دس سال زحمت اٹھائی اتنی زحمت تو عام لوگ اپنی اولاد تک کی ہدایت اور نجات کے لئے نہیں اٹھاتے۔

اللہ کا نام لے کر کشتی پر سوار ہو جاؤ

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام نے جلدی سے اپنے سے وابستہ صاحب ایمان افراد اور اصحاب کو جمع کیا اور چونکہ طوفان اور تباہ کن خدائی عذابوں کا مرحلہ نزدیک آ رہا تھا، ''انہیں حکم دیا کہ خدا کے نام سے کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کشتی کے چلتے اور ٹھہرتے وقت خدا کا نام زبان پر جاری کرو اور اس کی یاد میں رہو''۔ [1]

بالآخر آخری مرحلہ آ پہنچا اور اس سرکش قوم کے لئے عذاب اور سزا کا فرمان صادر ہوا تیرہ و تار بادل جو سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح تھے سارے آسمان پر چھا گئے اور اس طرح ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہوئے کہ جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی تھی پے در پے سخت بادل گرجتے خیرہ کن بجلیاں پورے آسمان پر کوندتیں آسمانی فضا گویا ایک بہت بڑے وحشت ناک حادثے کی خبر دے رہی تھی۔

بارش شروع ہوگئی اور پھر تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی بارش کے قطرے موٹے سے موٹے ہوتے چلے گئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''گویا آسمان کے تمام دروازے کھل گئے اور پانی کا ایک سمندر ان کے اندر سے نیچے گرنے لگا''۔ [2]

دوسری طرف زیر زمین پانی کی سطح اس قدر بلند ہوگئی کہ ہر طرف سے پر جوش چشمے ابل پڑے، یوں زمین و آسمان کا پانی آپس میں مل گیا اور زمین، پہاڑ، دشت، بیابان اور درہ غرض ہر جگہ پانی جاری ہو گیا بہت جلد زمین کی سطح ایک سمندر کی صورت اختیار کر گئی تیز ہوائیں چلنے لگیں جن کی وجہ سے پانی کی کوہ پیکر موجیں امنڈنے لگیں اس عالم میں ''کشتی نوح کوہ پیکر موجوں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی''۔ [3]

پسر نوح کا دردناک انجام

پسر نوح علیہ السلام ایک طرف اپنے باپ سے الگ کھڑا تھا نوح علیہ السلام نے پکارا: ''میرے بیٹے، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو ورنہ فنا ہو جاؤ گے''۔ [4]

---

[1] سورہ ہود آیت 41

[2] سورہ قمر آیت 11

[3] سورہ ہود آیت 42

[4] سورہ ہود آیت 43

پیغمبر بزرگوار حضرت نوح علیہ السلام نے نہ صرف باپ کی حیثیت سے بلکہ ایک انتھک پرامید مربی کے طور پر آخری لمحے تک اپنی ذمہ داری سے دست برداری نہ کی، اس امید پر کہ شاید ان کی بات سنگدل بیٹے پر اثر کر جائے لیکن افسوس کہ برے ساتھی کی بات اس کے لئے زیادہ پرتاثیر تھی لہٰذا دلسوز باپ کی گفتگو اپنا مطلوبہ اثر نہ کر سکی، وہ ہٹ دھرم اور کوتاہ فکر تھا اسے گمان تھا کہ غضب خدا کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا تھا اس لئے اس نے پکار کر کہا: ''ابا میرے لئے جوش میں نہ آؤ میں عنقریب پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جس تک یہ سیلاب نہیں پہنچ سکتا''۔ [1]

نوح علیہ السلام پھر بھی مایوس نہ ہوئے دوبارہ نصیحت کرنے لگے کہ شاید کوتاہ فکر بیٹا غرور اور خودسری کے مرکب سے اتر آئے اور راہ حق پر چلنے لگے۔ انہوں نے کہا: ''میرے بیٹے آج حکم خدا کے مقابلے میں کوئی طاقت پناہ نہیں دے سکتی، نجات صرف اس شخص کے لئے ہے رحمت خدا جس کے شامل حال ہو''۔ [2] پہاڑ تو معمولی سی چیز ہے خود کرہ ارض بھی معمولی سی چیز ہے سورج اور تمام نظام شمسی اپنے خیرہ کن عظمت کے باوجود خدا کی قدرت لایزال کے سامنے ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اسی دوران ایک موج اٹھی اور آگے آئی، مزید آگے بڑھی اور پسر نوح کو ایک تنکے کی طرح اس کی جگہ سے اٹھایا اور اپنے اندر درہم برہم کر دیا، ''اور باپ بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دی اور اسے غرق ہونے والوں میں شامل کر دیا''۔ [3]

اے نوح علیہ السلام تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو موجوں کے درمیان دیکھا تو شفقت پدری نے جوش مارا انہیں اپنے بیٹے کی نجات کے بارے میں وعدہ الٰہی یاد آیا انہوں نے درگاہ الٰہی کا رخ کیا اور کہا: ''پروردگارا میرا بیٹا میرے اہل اور میرے خاندان میں سے ہے اور تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے خاندان کو طوفان اور ہلاکت سے نجات دے گا اور تو تمام حکم کرنے والوں سے برتر ہے اور تو ایفائے عہد کرنے میں محکم تر ہے''۔ [4]

یہ وعدہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو سورہ ہود میں موجود ہے جہاں فرمایا گیا ہے:

''ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لو اور اسی طرح اپنے خاندان کو سوائے اس شخص کے جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہو چکا ہے''۔ [5]

حضرت نوح علیہ السلام نے خیال کیا کہ ''سوائے اس کے کہ جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہو چکا ہے، اس سے مراد صرف ان کی بے ایمان اور مشرک بیوی ہے اور ان کا بیٹا کنعان اس میں شامل نہیں ہے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسا تقاضا کیا لیکن فوراً جواب ملا (ہلا دینے والا جواب اور ایک عظیم حقیقت واضح کرنے والا جواب) ''اے نوح وہ تیرے اہل اور خاندان میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ غیر صالح عمل ہے''۔ [6]

---

[1] سورہ ہود آیت 43

[2] سورہ ہود آیت 43

[3] سورہ ہود آیت 43

[4] سورہ ہود آیت 45

[5] سورہ ہود آیت 40

[6] سورہ ہود آیت 46

وہ نالائق شخص ہے اور تجھ سے مکتبی اور مذہبی رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے خاندانی رشتے کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

''اب جبکہ ایسا ہے تو مجھ سے ایسی چیز کا تقاضا نہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جا''۔ [1]

حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ تقاضا بارگاہ الٰہی میں صحیح نہ تھا اور ایسے بیٹے کی نجات کو خاندان کی نجات کے بارے میں خدا کے وعدے میں شامل نہیں سمجھنا چاہئے تھا لہٰذا آپ نے پروردگار کا رخ کیا اور کہا:

''پروردگارا: میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے تجھ سے کسی ایسی چیز کی خواہش کروں جس کا علم مجھے نہیں، اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور اپنی رحمت میرے شامل حال نہ کی تو میں زیاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا''۔ [2]

اس داستان کا اختتام

آخر کار پانی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں نے تمام جگہوں کو گھیر لیا پانی کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی جاہل گنہگاروں نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک معمولی سا طوفان ہے وہ اونچی جگہوں اور پہاڑوں پر پناہ گزین ہو جائیں گے، لیکن پانی ان کے اوپر سے بھی گزر گیا اور تمام جگہیں پانی کے نیچے چھپ گئیں ان طغیان گروں کے جسم، ان کے بچے کچے، گھر اور زندگی کا ساز و سامان پانی کی جھاگ میں نظر آ رہا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے زمام کشتی خدا کے ہاتھ میں دی موجیں کشتی کو ادھر سے ادھر لے جاتی تھیں روایات میں آیا ہے کہ کشتی پورے چھ ماہ سرگرداں رہی یہ مدت ابتدائے ماہ رجب سے لے کر ذی الحجہ کے اختتام تک تھی ایک اور روایت کے مطابق دس رجب سے لے کر روز عاشورہ تک کشتی پانی کی موجوں میں سرگرداں رہی۔

اس دوران کشتی نے مختلف علاقوں کی سیر کی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے اطراف کی بھی سیر کی، آخر کار عذاب کے خاتمے کا اور زمین کے معمول کی حالت میں لوٹ آنے کا حکم صادر ہوا، قرآن میں اس فرمان کی کیفیت، جزئیات اور نتیجہ بہت مختصر مگر انتہائی عمدہ اور جاذب و خوبصورت عبارت میں چھ جملوں میں بیان کیا گیا ہے: پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''حکم دیا گیا کہ اے زمین: اپنا پانی نگل جا اور آسمان کو حکم ہوا اے آسمان ہاتھ روک لے،،۔

''پانی نیچے بیٹھ گیا''

''اور کام ختم ہو گیا''

''اور کشتی کوہ جودی کے دامن سے آ لگی''۔

''اس وقت کہا گیا: دور ہو ظالم قوم''۔ [3]

مندرجہ بالا قرآنی تعبیرات مختصر ہوتے ہوئے بھی نہایت موثر اور دلنشین ہیں، یہ بولتی ہوئی زندہ تعبیرات ہیں اور تمام

---

[1] سورہ ہود آیت 46

[2] سورہ ہود آیت 47

[3] سورہ ہود آیت 44

ترزیبائی کے باوجود ہلا دینے والی ہیں بعض علماء عرب کے بقول مذکورہ آیت قرآن میں سے فصیح ترین اور بلیغ ترین آیت ہے۔[1]

کوہ جودی کہاں ہے؟

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ کوہ جودی جس کے کنارے کشتی نوح علیہ السلام آ کر لگی تھی اور جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہی مشہور پہاڑ ہے جو موصل کے قریب ہے، بعض دوسرے مفسرین نے اسے حدود شام میں یا ''آمد'' کے نزدیک یا عراق کے شمالی پہاڑ سمجھا ہے۔

کتاب مفردات راغب نے کہا ہے کہ یہ وہ پہاڑ ہے جو موصل اور الجزیرہ کے درمیان ہے ''الجزیرہ'' شمالی عراق میں ایک جگہ ہے اور یہ ''الجزائر'' یا ''الجزیرہ'' نہیں جو آج کل مشہور ہے، بعید نہیں کہ ان سب کی بازگشت ایک ہی طرف ہو کیونکہ موصل، آمد اور الجزیرہ سب عراق کے شمالی علاقوں میں ہیں اور شام کے نزدیک ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ جودی سے مراد ہر مضبوط پہاڑ اور محکم زمین ہے، یعنی کشتی نوح ایک محکم زمین پر لنگر انداز ہوئی جو اس کی سواریوں کے اترنے کے لئے مناسب تھی لیکن مشہور معروف وہی پہلا معنی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام باسلامت اتر آئے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی سبق آموز سرگزشت کے بارے میں یہ آخری حصہ ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے اور نئے سرے سے روئے زمین پر معمول کی زندگی گزارنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''نوح علیہ السلام سے کہا گیا کہ سلامتی اور برکت کے ساتھ جو ہماری طرف سے تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہے، اتر آؤ''۔[2]

اس میں شک نہیں کہ ''طوفان'' نے زندگی کے تمام آثار کو درہم برہم کر دیا تھا فطری طور پر آباد زمینیں، لہلہاتی چراگاہیں اور سرسبز باغ سب کے سب ویران ہو چکے تھے اس موقع پر شدید خطرہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ساتھی زندگی گزارنے اور غذا کے سلسلے میں بہت تنگی کا شکار ہوں گے۔ لیکن خدا نے ان مومنین کو اطمینان دلایا کہ برکات الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور زندگی اور معاش کے حوالے سے تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں ممکن تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو اپنی سلامتی کے حوالے سے یہ پریشانی ہوتی کہ طوفان کے بعد باقی ماندہ ان گندے پانیوں، جوہڑوں اور دلدلوں کے ہوتے ہوئے زندگی خطرے سے دوچار ہوگی لہٰذا خدا تعالیٰ اس سلسلے میں بھی انہیں اطمینان دلاتا ہے کہ تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا اور وہ ذات جس نے ظالموں کی نابودی کے لئے طوفان بھیجا ہے اہل ایمان کی سلامتی اور برکت کے لئے بھی ماحول فراہم کر سکتی ہے۔

---

[1] روایات اور تواریخ میں اس کی شہادت موجود ہے، لکھا ہے: کچھ کفار قریش قرآن سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ قرآنی آیات جیسی کچھ آیات گھڑیں ان سے تعلق رکھنے والوں نے انہیں چالیس دن تک بہترین غذائیں مہیا کیں، مشروبات فراہم کیے اور ان کی ہر فرمائش پوری کی خالص گندم کا میدہ، بکرے کا گوشت، پرانی شراب غرض سب کچھ انہیں لا کر دیا تا کہ وہ آرام و راحت کے ساتھ قرآنی آیات جیسے جملوں کی ترکیب بندی کریں لیکن جب وہ مذکورہ آیت تک پہنچے تو اس نے انہیں اس طرح سے ہلا کر رکھ دیا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ ایسی گفتگو ہے کوئی کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا، یہ کہہ کر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور مایوس ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔

[2] سورہ ہود آیت 48

اس بناء پر جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی پروردگار کے لامتناہی لطف وکرم کے سائے میں طوفان کے بعد ان تمام مشکلات کے باوجود سلامتی وبرکت کے ساتھ جیتے رہے، اسی طرح مختلف قسم کے جانور جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی سے اترے تھے خدا کی طرف سے سلامتی وحفاظت کے ساتھ اور اس کے لطف وکرم کے سائے میں زندگی بسر کرتے رہے۔

کیا طوفان نوح علیہ السلام عالمگیر تھا؟

قرآن کی بہت سی آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کسی خاص علاقے کے لئے نہ تھا بلکہ پوری زمین پر رونما ہوا تھا کیونکہ لفظ "ارض" (زمین) مطلق طور پر آیا ہے:

''خداوندا روئے زمین پر ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے کہ جن کے بارے میں اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے''۔ [1]

اسی طرح سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے: ''اے زمین اپنا پانی نگل لے''۔ [2]

بہت سی تواریخ سے بھی طوفان نوح علیہ السلام کے عالمگیر ہونے کی خبر ملتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ موجودہ تمام نسلیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد میں سے ہیں جو کہ زندہ بچ گئے تھے۔

طبیعی تاریخ سے بھی سیلابی بارشوں کے نام سے ایک دور کا پتہ چلتا ہے اس دور کو اگر لازمی طور پر جانداروں کی پیدائش سے قبل سے مربوط نہ سمجھیں تو وہ بھی طوفان نوح پر منطبق ہوسکتا ہے۔ [3]

طوفان کے ذریعے سزا کیوں دی گئی؟

یہ صحیح ہے کہ ایک فاسد اور بری قوم کو نابود ہونا چاہئے، چاہے وہ کسی ذریعے سے نابود ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن آیات قرآنی میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب وسزا اور قوموں کے گناہوں میں ایک قسم کی مناسبت تھی اور ہے، فرعون نے عظیم دریائے نیل اور اس کے پر برکت پانی کو اپنی قوت وطاقت کا ذریعہ بنا رکھا تھا یہ بات جاذب نظر ہے کہ وہی اس کی نابودی کا سبب بنا نمرود کو اپنے عظیم ظلم پر بھروسہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ حشرات الارض کے چھوٹے سے لشکر نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دی۔ قوم نوح زراعت پیشہ تھی ان کی کثیر دولت کا دارومدار زراعت پر ہی تھا۔

جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کوفہ میں رہتے تھے دوسری طرف بعض روایات کے مطابق

---

[1] سورہ نوح آیت 26

[2] سورہ ہود آیت 44

[3] زمین کی طبیعی تاریخ میں یہ نظریہ بھی ہے کہ کرہ زمین کا محور تدریجی طور پر تغیر پیدا کرتا ہے یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی خط استوا میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور خط استوا قطب جنوبی کی جگہ لے لیتا ہے، واضح ہے کہ جب قطب شمالی وجنوبی میں موجود بہت زیادہ برف پگھل پڑے تو دریاؤں اور سمندروں کے پانی کی سطح اس قدر اوپر آجائے گی کہ بہت سی خشکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور پانی زمین میں جہاں جہاں اسے گنجائش ملے گی ابلتے ہوئے چشموں کی صورت میں نکلے گا، پانی کی یہی وسعت بادلوں کی تخلیق کا سبب بنتی ہے اور پھر زیادہ سے زیادہ بارشیں انہی بادلوں سے ہوتی ہیں۔

یہ امر کہ حضرت نوح نے زمین کے جانوروں کے چند نمونے بھی اپنے ساتھ لئے تھے طوفان کے عالمگیر ہونے کا موید ہے۔

(4) اس روئے زمین پر سبھی حضرت نوح کی اولاد سے ہیں؟ رجوع کریں تفسیر نمونہ ج10 ص503 سورہ صافات آیت 82 کی تفسیر میں ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنا سب کچھ بارش کے حیات بخش قطروں کو سمجھتے ہیں لیکن آخر کار بارش ہی نے انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا۔

طوفان مکہ اور خانہ کعبہ تک پھیلا ہوا تھا تو یہ صورت بھی اس بات کی موید ہے کہ طوفان عالمگیر تھا۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اس امر کی بھی بالکل نفی نہیں کی جاسکتی کہ طوفان نوح ایک منطقہ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ لفظ ''ارض'' (زمین) کا اطلاق قرآن میں کئی مرتبہ زمین کے ایک وسیع قطعے پر بھی ہوا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کی سرگزشت میں ہے: ''ہم نے زمین کے مشارق اور مغارب بنی اسرائیل کے مستضعفین کے قبضے میں دیئے''[1]

کشتی میں جانوروں کو شاید اس بناء پر رکھا گیا ہو کہ زمین کے اس حصے میں جانوروں کی نسل منقطع نہ ہو خصوصاً اس زمانے میں جانوروں کا دور دراز علاقوں سے منتقل ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اسی طرح دیگر مذکورہ قرائن اس بات پر منطبق ہو سکتے ہیں کہ طوفان نوح ایک خاص علاقہ میں آیا تھا۔ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ طوفان نوح تو اس سرکش قوم کی سزا اور عذاب کے طور پر تھا اور ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت تمام روئے زمین پر پہنچی تھی اصولی طور پر اس زمانے کے وسائل و ذرائع کے ساتھ ایک پیغمبر کی دعوت کا (اس کے اپنے زمانے میں) زمین کے تمام خطوں اور علاقوں تک پہنچنا بعید نظر آتا ہے بہرحال اس عبرت خیز واقعے کو بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اس میں چھپے اہم تربیتی نکات بیان کیے جائیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ واقعہ عالمی ہو یا کسی ایک علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔

جناب نوح علیہ السلام کی بیوی

قرآن مجید دو بے تقویٰ عورتوں کی سرنوشت جو دو بزرگ پیغمبروں کے گھر میں تھیں، اور دو مومن و ایثار گر خواتین کی سرنوشت بیان کرتا ہے جن میں سے ایک تاریخ کے جابر ترین شخص کے گھر میں تھی۔

پہلے فرماتا ہے ''خدا نے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے نوح کی بیوی کی مثال اور لوط کی بیوی کی مثال'' وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انہیں کوئی نفع نہیں دیا''۔[2]

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام ''والھہ'' اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام ''والعۃ'' تھا 1 اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے یعنی نوح کی بیوی کا نام ''والعۃ'' اور لوط کی بیوی کا نام ''والھہ'' یا ''واہلہ'' کہا ہے۔

بہرحال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جائدہ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے: ''کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی''۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز انہیں بتاتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

قرآن آخر میں کہتا ہے: ''اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ''[3]

---

[1] سورہ اعراف آیت 137

[2] سورہ تحریم آیت 10

[3] سورہ تحریم آیت 10

حضرت ہود علیہ السلام

قرآن مجید میں ذکر شدہ انبیاء کے ناموں و میں حضرت ہود علیہ السلام بھی ہیں، جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے، بعض مؤرخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہوتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الاولیٰ سے تعبیر کیا، وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا، دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دَور میں اور تقریباً ولادت مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور وہ عاد کے نام سے مشہور تھا۔ یہ احقاف یا یمن میں رہائش پزیر تھا۔

اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجثہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو شمار ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ متمدن بھی تھے۔ان کے شہر آباد اور زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ان کے باغات پر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جدّ (دادا) کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔

شہرِ اِرم اور شداد کی بہشت

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحراؤں میں شہر ارم کے برآمد ہونے کی ایک دلچسپ داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت وغیرہ کی بات کرتے ہیں۔لیکن مذکورہ داستان واقعیت کی نسبت خواب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔

لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قوم عاد طاقتور قبائل پر مشتمل تھی، ان کے شہر ترقی یافتہ تھے اور جیسا کہ قرآن اشارہ کرتا ہے، ان جیسے شہر پھر آباد نہیں ہو سکے۔

بہت سی داستانیں شداد کی جو عاد کا بیٹا تھا، زبان زد عام ہیں اور تاریخ میں مرقوم ہیں۔ یہاں تک کہ شداد کی بہشت اور اس کے باغات ضرب المثل کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔لیکن ان داستانوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ محض افسانے ہیں۔ یہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کی حقیقت پر بعد میں حاشیہ آرائی کر لی گئی۔

حضرت ہود علیہ السلام برادر قوم عاد

قرآن نبی اللہ کے سلسلہ میں فرماتا ہے: ''ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا''۔[1]

یہاں حضرت ہود علیہ السلام کو بھائی کہا گیا تھا یہ تعبیر یا تو اس بناء پر ہے کہ عرب اپنے تمام اہل قبیلہ کو بھائی کہتے ہیں کیونکہ نسب کی اصل میں سب شریک ہوتے ہیں مثلاً بنی اسد کے شخص کو ''اخو اسدی'' کہتے ہیں اور مذحج قبیلہ کے شخص کو ''اخو مذحج'' کہتے ہیں، یا ہو سکتا ہے کہ یہ اس طرف اشارہ ہو کہ حضرت ہود علیہ السلام کا سلوک اپنی قوم سے دیگر انبیاء کی طرح بالکل برادرانہ تھا نہ کہ ایک حاکم کا سا بلکہ ایسا بھی نہیں جو باپ اپنی اولاد سے کرتا ہے بلکہ آپ کا سلوک ایسا تھا جو ایک بھائی دوسرے بھائیوں سے کرتا ہے کہ جس میں کوئی امتیاز اور برتری کا اظہار نہ ہو۔

---

[1] سورہ ہود آیت 50

حضرت ہود علیہ السلام کی بہترین دلیل

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز دیگر انبیاء کی طرح کیا آپ کی پہلی دعوت توحید اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی دعوت تھی، ہود نے ان سے کہا: ''اے میری قوم خدا کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اللہ اور معبود لائق پرستش نہیں، بتوں کے بارے میں تمہارا اعتقاد غلطی اور اشتباہ پر مبنی ہے اور اس میں تم خدا پر افتراء باندھتے ہو''۔ [1]

یہ بت خدا کے شریک نہیں ہیں، نہ خیر وشر کے منشاء ومبداء، ان سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا اس سے بڑھ کر کیا افتراء اور تہمت ہوگی کہ اس قدر بے وقعت موجودات کے لئے تم اتنے بڑے مقام ومنزلت کا اعتقاد رکھتے ہو؟۔

اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام نے مزید کہا: ''اے میری قوم میں اپنی دعوت کے سلسلے میں تم سے کوئی توقع نہیں رکھتا تم سے کسی قسم کی اجرت نہیں چاہتا''۔ [2]

کہ ''تم یہ گمان کرو کہ میری یہ داد وفریاد اور جوش وخروش مال ومقام کے حصول کے لئے ہے یا تم خیال کرو کہ تمہیں مجھے کوئی بھاری معاوضہ دینا پڑے گا جس کی وجہ سے تم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو، میری اجرت صرف اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جس نے مجھے روح وجسم بخشے ہیں اور تمام چیزیں جس نے مجھے عطا کی ہیں وہی جو میرا خالق ورازق ہے میں اگر تمہاری ہدایت وسعادت کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو وہ اصولاً اس کے حکم اطاعت میں ہوتا ہے لہٰذا اجر وجزا بھی میں اسی سے چاہتا ہوں نہ کہ تم سے، علاوہ ازیں کیا تمہارے پاس اپنی طرف سے کچھ ہے جو تم مجھے دو، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی خدا کی طرف سے ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''۔ [3]

آخر میں انہیں شوق دلانے کے لئے اور اس گمراہ قوم میں حق وحق طلبی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے تمام ممکن وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے مشروط طور پر مادی جزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو اس جہان میں خدا مومنین کو عطا فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے: ''اے میری قوم اپنے گناہوں پر خدا سے بخشش طلب کرو، پھر توبہ کرو اور اس کی طرف لوٹ آؤ اگر تم ایسا کرلو تو وہ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ بارش کے حیات بخش قطرے پیہم تمہاری طرف بھیجے۔'' [4]

تا کہ تمہارے کھیت اور باغات کم آبی یا بے آبی کا شکار نہ ہوں اور ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں علاوہ ازیں تمہارے ایمان و تقوی، گناہ سے پرہیز اور خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی وجہ سے ''تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔'' [5]

یہ کبھی گمان نہ کرو کہ ایمان وتقویٰ سے تمہاری قوت میں کمی واقع ہوگی ایسا ہرگز نہیں بلکہ تمہاری جسمانی وروحانی قوت میں اضافہ ہوگا۔

اس کمک سے تمہارا معاشرہ آبادتر ہوگا، جمعیت کثیر ہوگی، اقتصادی حالات بہتر ہونگے اور تم طاقتور، آزاد اور خودمختار ملت بن جاؤ گے لہٰذا راہ حق سے روگردانی نہ کرو اور شاہراہ گناہ پر قدم نہ رکھو۔

---

[1] سورہ ہود آیت 50

[2] سورہ ہود آیت 51

[3] سورہ ہود آیت 51

[4] سورہ ہود آیت 52

[5] سورہ ہود آیت 52

اے ہود تم ہمارے خداؤں کے غضب سے دیوانہ ہو گئے ہو

اب دیکھتے ہیں کہ اس سرکش اور مغرور قوم یعنی قوم عاد نے اپنے بھائی ہود، ان کے پند و نصائح اور ہدایت و رہنمائی کے مقابلے میں کیا ردّعمل ظاہر کیا۔

انہوں نے کہا: ''اے ہود: تو ہمارے لئے کوئی واضح دلیل نہیں لایا، ہم ہرگز تیری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے''۔[1]

ان تین غیر منطقی جملوں کے بعد انہوں نے مزید کہا: ''ہمارا خیال ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تو ہمارے خداؤں کے غضب کا شکار ہوا ہے اور انہوں نے تیری عقل کو آسیب پہنچایا ہے''۔[2]

اس میں شک نہیں کہ (جیسے تمام انبیاء کا طریقہ کار ہوتا ہے اور ان کی ذمہ داری ہے) حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک معجزے دکھائے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے کبر و غرور کی وجہ سے دیگر ہٹ دھرم قوموں کی طرح معجزات کا انکار کیا اور انہیں جادو قرار دیا اور انہیں اتفاقی حوادث گردانا کہ جنہیں کسی معاملے میں دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام پر ''جنون'' کی تہمت لگائی اور ''جنون'' بھی وہ جو ان کے زعم ناقص میں ان کے خداؤں کے غضب کا نتیجہ تھا، ان کے بے ہودہ پن اور خرافات پرستی کی خود ایک بہترین دلیل ہے۔

بے جان اور بے شعور پتھر اور لکڑیاں جو خود اپنے ''بندوں'' کی مدد کی محتاج ہیں وہ ایک عقلمند انسان سے کس طرح اس کا عقل و شعور چھین سکتی ہیں علاوہ ازیں ان کے پاس ہود کے دیوانہ ہونے کی کونسی دلیل تھی، اگر یہ دیوانگی کی دلیل ہے تو پھر تمام مصلحین جہان اور انقلابی لوگ جو غلط روش اور طریقوں کے خلاف قیام کرتے ہیں سب دیوانے ہونے چاہئیں۔

کیوں بت مجھے نابود نہیں کرتے

بہر حال حضرت ہود علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ اس گمراہ اور ہٹ دھرم قوم کو دندان شکن جواب دیتے، ایسا جواب جو منطق کی بنیاد پر بھی ہوتا اور طاقت سے بھی ادا ہوتا، قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کے جواب میں چند جملے کہے: ''میں خدا کو گواہی کے لئے بلاتا ہوں، اور تم سب بھی گواہ رہو کہ میں ان بتوں اور تمہارے خداؤں سے بیزار ہوں''۔[3]

یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ بت طاقت رکھتے ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے ختم کر دیں، میں جو علی الاعلان ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اور اعلانیہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اعلان کر رہا ہوں وہ کیوں خاموش اور معطل ہیں، کس چیز کے منتظر ہیں اور کیوں مجھے نابود اور ختم نہیں کر دیتے۔

اس کے بعد مزید فرمایا کہ نہ فقط یہ کہ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ تم بھی اتنی کثرت کے باوجود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے ''اگر سچ کہتے ہو تو تم سب مل کر میرے خلاف جو سازش کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے لمحہ بھر کی بھی مہلت نہ دو''۔[4]

میں تمہاری اتنی کثیر تعداد کو کیوں کچھ نہیں سمجھتا اور کیوں تمہاری طاقت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، تم جو کہ میرے خون کے پیاسے

---

[1] سورہ ہود آیت 53

[2] سورہ ہود آیت 54

[3] سورہ ہود آیت 54

[4] سورہ ہود آیت 50

ہو اور ہر قسم کی طاقت رکھتے ہو، اس لئے کہ میرا رکھوالا اللہ ہے، وہ جس کی قدرت سب طاقتوں سے بالاتر ہے''میں نے خدا پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے''۔[1]

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں، یہ اس امر کی نشانی ہے کہ میں نے دل کسی اور جگہ نہیں باندھ رکھا اگر صحیح طور پر سوچو تو یہ خود ایک قسم کا معجزہ ہے کہ ایک انسان تن تنہا بہت سے لوگوں کے بے ہودہ عقائد کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔

جبکہ وہ طاقتور اور متعصب بھی ہوں یہاں تک کہ انہیں اپنے خلاف قیام کی تحریک کرے اس کے باوجود اس میں خوف وخطر کے کوئی آثار نظر نہ آئیں اور پھر نہ اس کے دشمن اس کے خلاف کچھ کر سکتے ہوں۔

آخر کار حضرت ہود علیہ السلام ان سے کہتے ہیں:

''اگر تم راہ حق سے روگردانی کرو گے تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے''۔[2]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ اگر میری دعوت قبول نہ کی جائے تو میرے لئے کوئی شکست ہے میں نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اور فریضہ کی انجام دہی کامیابی ہے اگر چہ میری دعوت قبول نہ کی جائے۔

دراصل یہ سچے رہبروں اور راہ حق کے پیشواؤں کے لئے ایک درس ہے کہ انہیں اپنے کام پر کبھی بھی خستگی و پریشانی کا احساس نہیں ہونا چاہئے چاہے لوگ ان کی دعوت کو قبول نہ بھی کریں۔

جیسا کہ بت پرستوں نے آپ کو دھمکی دی تھی، اس کے بعد آپ انہیں شدید طریقے پر عذاب الٰہی کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''اگر تم نے دعوت حق قبول نہ کی تو خدا عنقریب تمہیں نابود کر دے گا اور کسی دوسرے گروہ کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''[3]

''اور یہ بھی جان لو کہ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہے اور ہر حساب و کتاب کی نگہداری کرتا ہے''۔[4]

نہ موقع اس کے ہاتھ سے جاتا ہے اور نہ وہ موقع کی مناسبت کو فراموش کرتا ہے نہ وہ اپنے انبیاء اور دوستوں کو طاق نسیاں کرتا ہے اور نہ کسی شخص کا حساب و کتاب اس کے علم سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر مسلط ہے۔

اس ظالم قوم پر ابدی لعنت

قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی سرگذشت سے مربوط آیات کے آخری حصے میں ان سرکشوں کی دردناک سزا اور عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پہلے کہتا ہے:

''جب ان کے عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آ پہنچا تو ہود اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لا چکے تھے ہماری ان پر رحمت اور لطف خاص نے انہیں نجات بخشی''۔[5]

---

[1] سورہ ہود آیت 56

[2] سورہ ہود آیت 57

[3] سورہ ہود آیت 57

[4] سورہ ہود آیت 57

[5] سورہ ہود آیت 58

پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا: ''ہم نے اس صاحب ایمان قوم کو شدید عذاب سے رہائی بخشی''۔ [1]

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بے ایمان، سرکش اور ظالم افراد کے لئے عذاب وسزا معین کرنے سے پہلے صاحب ایمان قوم کی نجات کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ خیال پیدا نہ ہو جیسا کہ مشہور ضرب المثل ہے کہ عذاب الٰہی کے موقع پر خشک وتر سب جل جاتے ہیں کیونکہ وہ حکیم اور عادل ہے اور محال ہے کہ وہ ایک بھی صاحب ایمان شخص کو بے ایمان اور گنہگار لوگوں کے درمیان عذاب کرے، بلکہ رحمت الٰہی ایسے افراد کو عذاب وسزا کے نفاذ سے پہلے ہی امن وامان کی جگہ پر منتقل کر دیتی ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ طوفان آئے، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نجات تیار تھی، اور اس سے پہلے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے شہر تباہ وبرباد ہوں حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے انصار راتوں رات حکم الٰہی سے وہاں سے نکل آئے۔

یہ مناسبت بھی قابل ملاحظہ ہے کہ قوم عاد کے لوگ سخت اور بلند قامت تھے ان کے قد کو کھجور کے درختوں سے تشبیہ دی گئی ہے اسی مناسبت سے ان کی عمارتیں مضبوط، بڑی اور اونچی تھیں یہاں تک کہ قبل اسلام کی تاریخ میں ہے کہ عرب بلند اور مضبوط عمارتوں کی نسبت قوم عاد ہی کی طرف دیتے ہوئے انہیں ''عدی'' کہتے تھے، اسی لئے ان پر آنے والا عذاب بھی انہی کی طرح غلیظ اور سخت تھا، نہ صرف اخرت کا عذاب، بلکہ اس دنیا میں سخت سے سخت عذاب دیا گیا۔

عذاب الٰہی ایک نحس دن میں

قرآن مجید قوم عاد پر عذاب الٰہی کے بارے میں فرماتا ہے: ''ہم نے ان پر وحشت ناک، سرد اور تیز آندھی، ایک ایسے منحوس دن میں جو بہت طویل تھا، ان کی طرف بھیجی''۔

اس کے بعد اس تیز آندھی کی کیفیت کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ ''لوگوں کو گھن کھائے ہوئے کھجور کے تنوں کی طرح اکھاڑ دیا اور وہ ان کو ہر طرف پھینکتی تھی۔ [2]

قوم عاد کے لوگ قوی الجثہ تھے، انہوں نے تیز آندھی سے بچنے کے لئے زمین میں گڑھے کھود رکھے تھے اور زیر زمین پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں لیکن اس روز آنے والی آندھی اتنی زوردار اور طاقتور تھی کہ ان کو ان کی پناہ گاہوں سے باہر نکالتی تھی اور ادھر اُدھر پھینکتی تھی وہ ان کو اس زور سے زمین پر پٹختی تھی کہ ان کے سر تن سے جدا ہو جاتے تھے۔ آندھی اس قدر تیز تھی کہ پہلے ان کے ہاتھ پیروں اور سروں کو جدا کرتی تھی، اس کے بعد ان کے اجسام کو بے شاخ وبرگ کھجور کی طرح زمین سے اکھاڑتی تھی اور ادھر ادھر لئے پھرتی تھی۔

قرآن کریم اس قوم کے عذاب کے بارے میں دوسری جگہ کہتا ہے: ''قوم عاد کی سرگذشت میں بھی ایک آیت وعبرت ہے، جبکہ ہم نے ان پر ایک عقیم اور بغیر بارش کا طوفان بھیجا''۔ [3]

ہواؤں کا عقیم اور بانجھ ہونا اس وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ بارش برسانے والے بادل اپنے ساتھ لے کر نہ چلیں، گیاہ ونباتات میں اپنے عمدہ اثرات نہ چھوڑیں، ان میں کوئی فائدہ اور برکت نہ ہو اور ہلاکت ونابودی کے سوا کوئی چیز ہمراہ نہ لائیں۔

اس کے بعد اس سخت آندھی کی خصوصیت جو قوم عاد پر مسلط ہوئی تھی، بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ جس چیز کے

---

[1] سورہ ہود آیت 58

[2] سورہ قمر آیت 20

[3] سورہ ذاریات آیت 41

پاس سے گزرتی تھی اس کو نابود کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی، اور خشک کٹی پھٹی گھاس یا بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں بدل دیتی تھی''۔[1]

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قوم عاد کی تیز آندھی ایک عام تیز آندھی نہیں تھی، بلکہ انہیں تباہ کرنے اور کوٹنے چھٹنے یا پھر پیٹنے کے علاوہ اور اصطلاح کے مطابق فزیکل دباؤ سے، جلانے اور زہریلا بنانے کی خاصیت رکھتی تھی، جو طرح طرح کی اشیاؤں کو بوسیدہ اور کہنہ بنا دیتی تھی، جی ہاں، اس طرح خدا کی قدرت ''نسیم سحر'' کو ایک تیز آندھی میں بدل کر بڑی بڑی طاقتور قوموں کو اس طرح درہم و برہم کر دیتی ہے کہ صرف ان کے بوسیدہ جسم باقی رہ جاتے ہیں۔

کیا ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو

قرآن اس کے بعد اس تیز اور سرکوب کرنے والی آندھی کی ایک دوسری توصیف کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''خدا نے اس کو اس قوم پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان کی بنیادیں اکھاڑنے کے لئے مسلط کئے رکھا''۔[2]

سات راتوں اور آٹھ دنوں میں اس عظیم قوم کی وسیع اور بارونق زندگی کو بالکل تباہ و برباد کیا اور ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پراگندہ کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ قرآن کہتا ہے ''اگر تو وہاں ہوتا تو مشاہدہ کرتا کہ وہ ساری قوم منہ کے بل گری پڑی ہے اور سوکھے اور کھوکھلے درختوں کی طرح ڈھیر ہو گئے ہیں''۔[3]

کتنی عمدہ تشبیہ ہے، جو ان کے طویل قد و قامت کو بھی مشخص کرتی ہے، ان کے جڑ سے اکھڑ جانے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور خدا کے عذاب کے مقابلہ میں ان کے اندر سے خالی ہونے کو بھی بیان کرتی ہے اس طرح کہ وہ تیز آندھی جدھر چاہتی ہے انہیں آسانی کے ساتھ لے جاتی ہے۔

قرآن اس واقعہ کے آخر میں مزید کہتا ہے ''کیا تم ان سے کسی کو باقی دیکھتے ہو''؟۔[4]

ہاں: آج نہ صرف قوم عاد کا کوئی نام و نشان باقی نہیں بلکہ ان کے آباد شہروں اور پرشکوہ عمارتوں کے کھنڈرات اور ان کے سبز کھیتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام

قوم ثمود اور اس کے پیغمبر جناب صالح علیہ السلام کی جو ''وادی القریٰ'' میں رہتے تھے جو ''مدینہ'' اور ''شام'' کے درمیان واقع ہے یہ قوم اس سرزمین میں خوشحال زندگی بسر کر رہی تھی لیکن اپنی سرکشی کی بناء پر صفحۂ ہستی سے یوں مٹ گئی کہ آج اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

قرآن اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''قوم ثمود نے (خدا کے) رسولوں کو جھٹلایا''۔[5]

کیونکہ تمام انبیاء کی دعوت حق ایک جیسی تھی اور اس قوم کا اپنے پیغمبر جناب صالح کی تکذیب کرنا درحقیقت تمام رسولوں کی

---

[1] سورہ ذاریات آیت 32

[2] سورہ حاقہ آیت 7

[3] سورہ حاقہ آیت 7

[4] سورہ حاقہ آیت 8

[5] سورہ شعراء آیت 141

تکذیب کے مترادف تھا۔

''جبکہ ان کے ہمدرد پیغمبر صالح نے ان لوگوں سے کہا آیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟''[1]

وہ جو کہ تمہارے بھائی کی طرح تمہارا ہادی اور رہبر تھا اس کی نظر میں نہ برتری جتانا تھا اور نہ ہی مادی مفادات، اسی لئے قرآن نے جناب صالح علیہ السلام کو ''اخوہم'' سے تعبیر کیا ہے جناب صالح علیہ السلام نے بھی دوسرے انبیاء کی مانند اپنی دعوت کا آغاز تقویٰ اور فرض کے احساس سے کیا۔

پھر اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں تمہارے لئے امین پیغمبر ہوں''[2]

میرا ماضی میرے اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔

''اسی لئے تم تقویٰ اختیار کرو، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''[3]

کیونکہ میرے مدنظر رضائے الٰہی، تمہاری خیر وخوبی اور سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔

بنابریں ''اس دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔''[4]

میں تو کسی اور کے لئے کام کرتا ہوں اور میرا اجر بھی اسی کے پاس ہے ''ہاں تو میرا اجر صرف عالمین کے پروردگار کے پاس ہے''۔[5]

یہ جناب صالح علیہ السلام کی داستان کا ابتدائی حصہ تھا جو دو جملوں میں بیان کیا گیا ہے ایک دعوت کا پیش کرنا اور دوسرے رسالت کو بیان کرنا۔

پھر دوسرے حصے میں افراد قوم کی زندگی کے قابل تنقید اور حساس پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے: ''آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیشہ امن وسکون اور ناز ونعمت کی زندگی بسر کرتے رہو گے''۔[6]

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ مادی اور غفلت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے اور موت، انتقام اور سزا کا ہاتھ تمہارے گریبانوں تک نہیں پہنچے گا؟

''کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ باغات اور چشمے اور یہ کھیت اور کھجور کے درخت جن کے پھل شیریں وشاداب اور پکے ہوئے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں گے۔''[7]

پھر ان پختہ اور خوشحال گھروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ''تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اور اس میں عیاشی کرتے ہو۔''[8]

---

[1] سورہ شعراء آیت 142

[2] سورہ شعراء آیت 143

[3] سورہ شعراء آیت 145

[4] سورہ شعراء آیت 145

[5] سورہ شعراء آیت 145

[6] سورہ شعراء آیت 145

[7] سورہ شعراء آیت 147 تا 148

[8] سورہ شعراء آیت 149

جبکہ قوم ثمود شکم کی اسیر اور ناز و نعمت بھری خوشحال زندگی سے بہرہ مند تھی۔

فاسد اور اسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو

حضرت صالح علیہ السلام اس تنقید کے بعد انہیں متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حکم خدا کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور مسرفین کا حکم نہ مانو، وہی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''[1] ''یہ دھیان میں رہے کہ خدا نے قومِ عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین اور خلیفہ قرار دیا ہے اور زمین میں تمہیں جگہ دی ہے''[2]

یعنی ایک طرف تو تم کو اللہ کی نعمتوں کا خیال رہنا چاہئے، دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ تم سے پہلے جو قوم تھی وہ اپنی سرکشی اور طغیانی کے باعث عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو چکی ہے۔

پھر اس کے بعد انہیں عطا کی گئی کچھ نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''تم ایک ایسی سرزمین میں زندگی بسر کرتے ہو جس میں ہموار میدان بھی ہیں جن کے اوپر تم عالیشان قصر اور آرام دہ مکانات بنا سکتے ہو، نیز اس میں پہاڑی علاقے بھی ہیں جن کے دامن میں تم مضبوط مکانات تراش سکتے ہو (جو سخت موسم، اور سردیوں کے زمانے میں) تمہارے کام آسکتے ہیں''۔[3]

اس تعبیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ (قوم عاد) سردی اور گرمی میں اپنی سکونت کی جگہ بدل دیتے تھے فصل بہار اور گرمیوں میں وسیع اور پر برکت میدانوں میں زراعت کرتے تھے اور پرندے اور چوپائے پالنے میں مشغول رہا کرتے تھے اس وجہ سے وہ وہاں خوبصورت اور آرام دہ مکانات بناتے تھے جو انہوں نے پہاڑوں پر تراش کر بنائے تھے اور یہ مکانات انہیں سیلابوں اور طوفانوں سے محفوظ رکھتے تھے یہاں وہ اطمینان سے سردی کے دن گزار دیتے تھے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے:

''خداوند کریم کی ان سب نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرو اور کفران نعمت نہ کرو''۔[4]

قوم صالح کی ہٹ دھرمی

آپ حضرات، گمراہ قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کی منطقی اور خیر خواہی پر مبنی گفتگو ملاحظہ فرما چکے ہیں جناب صالح علیہ السلام کے جواب میں اس قوم کی گفتگو بھی سنیے۔

انھوں نے کہا: ''اے صالح: تم سحر زدہ ہو کر اپنی عقل کھو چکے ہو، لہٰذا غیر معقول باتیں کرتے ہو''۔[5]

ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بسا اوقات جادوگر لوگ جادو کے ذریعے انسان کی عقل و ہوش کو بیکار بنا دیتے ہیں صرف انھوں نے جناب صالح پر ہی یہ تہمت نہیں لگائی بلکہ اور لوگوں نے بھی دوسرے انبیاء پر ایسی تہمتیں لگائی ہیں، حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک کو متہم کیا۔

جی ہاں ان کے نزدیک عقل مند انسان وہ ہوتا ہے جو ماحول میں ڈھل جائے ابن الوقت بن جائے اور خود تمام برائیوں پر منطبق ہو جائے اگر کوئی انقلابی مرد خدا فاسد عقائد اور غلط نظام کے بطلان کے لئے قیام کرتا تو وہ اپنی اس منطق کی رو سے اسے

---

[1] سورہ شعراء آیات 150 تا 152

[2] سورہ اعراف آیت 74

[3] سورہ اعراف آیت 74

[4] سورہ اعراف آیت 74

[5] سورہ شعراء آیت 53

دیوانہ، مجنون اور سحر زدہ کہتے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ''اس خود پسند طبقے نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا کہ آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، حالانکہ ہم نے انہیں دنیا کی بہت سی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ تمہاری ہی طرح کا انسان ہے جو تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے''۔ [1]

بے شک وہ اشراف کا خوشحال طبقہ جو قرآن مجید کی اصطلاح میں صرف ظاہر بین تھا اور کور باطن تھا وہ اس عظیم پیغمبر کے مشن کو اپنے مفاد کا مخالف، ناجائز منافع خواری، استحصال اور بے جا بالادستی سے متصادم دیکھ رہا تھا، یہ طبقہ اپنی پرعیش زندگی کی وجہ سے اللہ سے کوسوں دور چلا گیا تھا اور آخرت کا منکر تھا۔

انہوں نے اللہ کے نمائندوں کے انسان ہونے اور دیگر انسانوں کی طرح کھانے پینے کو ان کی رسالت کی نفی کی دلیل قرار دیا حالانکہ یہ بات ان مایہ ناز شخصیتوں کی نبوت و رسالت کی پرزور تائید تھی کہ وہ عام لوگوں میں سے ہوں تا کہ انسان کی ضروریات اور مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوں، مزید برآں وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے: ''اگر تم اپنے ہی جیسے آدمی کے مطیع بنو گے تو یہ بڑی نقصان دہ بات ہوگی''۔ [2]

یہ کور باطن اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ خود تو یہ توقع کر رہے ہیں کہ لوگ ان کے شیطانی عزائم کی تکمیل اور پیغمبر سے مقابلے کے لئے ان کی پیروی کریں، مگر اس شخصیت کی اطاعت و پیروی کو جو مرکز وحی سے وابستہ ہے اور جس کا دل نور علم پروردگار عالمین سے منور ہے انسان کے لئے ذلت، ننگ و عار اور حریت کے منافی بتا رہے تھے۔

کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

اس کے بعد انھوں نے معاد اور قیامت کا انکار کیا، جس کو ماننا ہمیشہ سے خودسر اور ہوا و ہوس کے رہبروں کے لئے مشکل رہا ہے اور کہا:

''کیا یہ شخص تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد مٹی اور بوسیدہ ہڈی ہو جانے کے بعد تم ایک بار پھر قبروں سے نکلو گے اور ایک نئی زندگی پاؤ گے۔'' (یہ بہت دور اور بہت دور کی بات ہے وہ وعدے جو تم سے کئے گئے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں) [3]

مجموعی طور پر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی جو مر گیا ہو، مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا ہو، اس کے اجزاء ادھر ادھر بکھر گئے ہوں، وہ دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ محال ہے، یہ محال بات ہے۔

آخر میں اپنے نبی پر ایک مجموعی الزام لگاتے ہوئے انہوں نے کہا یہ ایک جھوٹا شخص ہے، جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے'' [4]

نہ اس کی رسالت اللہ کی طرف سے ہے نہ قیامت سے متعلق اس کے وعدے سچے ہیں اور نہ ہی دوسرے احکام ایسے ہیں، کوئی عقلمند آدمی اس پر کیسے ایمان لا سکتا ہے۔

---

[1] سورہ مومنون آیت 33

[2] سورہ مومنون آیت 34

[3] سورہ مومنون 35 تا 36

[4] سورہ مومنون آیت 37

اے صالح علیہ السلام ہم تم پر امید رکھتے تھے

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو غیر مؤثر بنانے کے لئے یا کم از کم ان کی باتوں کو بے تاثر کرنے کے لئے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا وہ آپ کو دھوکا دینا چاہتے تھے، کہنے لگے: ''اے صالح اس سے پہلے تو ہماری امیدوں کا سرمایہ تھا۔''[1]

مشکلات میں ہم تیری پناہ لیتے تھے، تجھ سے مشورہ کرتے تھے، تیرے عقل وشعور پر ایمان رکھتے تھے، اور تیری خیر خواہی اور ہمدردی میں ہمیں ہرگز کوئی شک نہ تھا۔

لیکن افسوس کہ تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، دین بت پرستی کی اور ہمارے خداؤں کی مخالفت کر کے کہ جو ہمارے بزرگوں کا رسم ورواج تھا اور ہماری قوم کے افتخارات میں سے تھا تو نے ظاہر کر دیا کہ تو بزرگوں کے احترام کا قائل نہیں ہے نہ ہماری عقل پر تمہیں کوئی اعتماد ہے اور نہ ہی تو ہمارے طور طریقوں کا حامی ہے۔ ''کیا سچ مچ تو ہمیں ان کی پرستش سے روک دینا چاہتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔''[2]

تم کتنے نحس قدم ہو

بہر حال اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کی ہمدردانہ نصیحتوں کو دل کے کانوں سے سننے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی بجائے واہیات اور بے کار باتوں کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی، منجملہ اور باتوں کے انھوں نے کہا: ''ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں سب کو ایک بری فال سمجھتے ہیں''۔[3]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ سال خشک سالی اور قحط سالی کا تھا اسی لئے وہ صالح علیہ السلام سے کہنے لگے: ''کہ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے نا مبارک قدموں کی بدولت ہوا ہے''۔ تم منحوس لوگ ہو، ہمارے معاشرے میں تم ہی بدبختی اور نحوست لائے ہو، وہ بری فال کو اس بہانے سے جو درحقیقت بے کار اور شریر لوگوں کا بہانہ ہوتا ہے، جناب صالح علیہ السلام کے بہترین دلائل کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

لیکن جناب صالح علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''بری فال (اور تمہارا نصیب) تو خدا کے پاس ہی ہے''۔[4]

اسی نے تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں ان مصائب میں ڈال دیا ہے اور تمہارے اعمال ہی تمہاری اس سزا کا سبب بنے ہیں۔

درحقیقت تمہارے لئے یہ خدا کی ایک عظیم آزمائش ہے جی ہاں: ''تم ہی ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جائے گی''۔[5]

یہ خدا کی آزمائش ہوتی ہے اور خبردار کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں تا کہ جو لوگ سنبھل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سنبھل جائیں، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، غلط راستے کو چھوڑ کر خدائی راستے کو اختیار کر لیں۔

---

[1] سورہ ہود آیت 62

[2] سورہ ہود آیت 62

[3] سورہ نمل آیت 47

[4] سورہ نمل آیت 47

[5] سورہ نمل آیت 47

ناقہ صالح علیہ السلام

اس کے بعد آپ نے اپنی دعوت کی حقانیت کے لئے معجزے اور نشانی کی نشاندہی کی، ایسی نشانی جو انسانی قدرت سے ماورا ہے اور صرف قدرت الٰہی کے سہارے پیش کی گئی ہے ان سے کہا: ''اے میری قوم: یہ ناقہ الٰہی تمہارے لئے آیت اور نشانی ہے اسے چھوڑ دو کہ یہ بیابانوں چراگاہوں میں گھاس پھوس کھائے''، ''اور اسے ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچانا اگر ایسا کروگے تو فوراً تمہیں دردناک عذاب الٰہی گھیر لے گا''۔ [1]

لغت میں ''ناقۃ'' اونٹنی کے معنی میں ہے۔ یہاں اور قرآن کی بعض دیگر آیات میں اس کی اضافت خدا کی طرف سے کی گئی ہے یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یہ اونٹنی کچھ خصوصیات رکھتی تھی

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں پر اس کا ذکر آیت الٰہی اور دلیل حقانیت کے طور پر آیا ہے، واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اونٹنی ایک عام اونٹنی نہ تھی اور ایک حوالے سے یا کئی حوالوں سے معجزہ کے طور پر تھی لیکن قرآن میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ نہیں آیا کہ اس ناقہ کی خصوصیات کیا تھیں اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام اونٹنی نہ تھی۔ بس یہی ایک چیز قرآن میں دو مواقع پر موجود ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اس ناقہ کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا کہ اس علاقے میں پانی کی تقسیم ہونا چاہئے ''ایک دن پانی ناقہ کا حصہ ہے اور ایک دن لوگوں کا''۔ [2]

لیکن یہ بات پوری طرح مشخص نہیں ہوسکی کہ پانی کی یہ تقسیم کس طرح خارق العادت تھی ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اونٹنی بہت زیادہ پانی پیتی تھی اس طرح چشمہ کا تمام پانی اس کے لئے مخصوص ہوجاتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس وقت وہ پانی پینے کے لئے آتی تو دوسرے جانور پانی پینے کی جگہ پر آنے کی جرأت نہ کرتے۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ جانور تمام پانی سے کس طرح استفادہ کرتا تھا اس سلسلے میں یہ احتمال ہے کہ اس بستی کا پانی کم مقدار میں ہو جیسے بعض بستیوں میں ایک ہی چھوٹا سا چشمہ ہوتا ہے اور بستی والے مجبور ہوتے ہیں کہ دن بھر کا پانی ایک گڑھے میں اکٹھا کریں تاکہ کچھ مقدار جمع ہوجائے اور اسے استعمال کیا جاسکے۔

لیکن دوسری طرف قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قوم ثمود تھوڑے پانی والے علاقے میں زندگی بسر نہیں کرتی تھی بلکہ وہ لوگ تو باغوں، چشموں، کھیتوں اور نخلستان کے مالک تھے''۔ [3]

بہرحال جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ ناقہ صالح کے بارے میں اس مسئلہ پر قرآن نے اجمالاً ذکر کیا نیز سورۂ قمر کی آیت 28 میں ہے:

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

سورۂ شمس آیت ۱۳ میں بھی اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے:

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

---

[1] سورہ ہود آیت 64

[2] سورۂ شعراء آیت 155

[3] سورہ شعراء آیت 146 تا 148

ہے لیکن بعض روایات جو شیعہ اور سنی دونوں فریقوں کے یہاں نقل ہوئی ہیں ان میں بیان ہوا ہے کہ اس ناقہ کے عجائب خلقت میں سے یہ تھا کہ وہ پہاڑ کے اندر سے باہر نکلی اس کے بارے میں کچھ اور خصوصیات بھی منقول ہیں۔

بہر کیف حضرت صالح علیہ السلام جیسے عظیم نبی نے اس ناقہ کے بارے میں بہت سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے آخر کار ناقہ کو ختم کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کیونکہ اس کی خارق العادۃ اور غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہو رہی تھی اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف مائل ہو رہے تھے لہٰذا قوم ثمود کے کچھ سرکشوں نے جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے اثرات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے اور وہ ہرگز لوگوں کی بیداری نہیں چاہتے تھے کیونکہ خلق خدا کی بیداری سے ان کے استعماری مفادات کو نقصان پہنچتا، لہٰذا انھوں نے ناقہ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی کچھ افراد کو اس کام پر مامور کیا گیا آخر کار ان میں سے ایک نے ناقہ پر حملہ کیا اور اس پر ایک یا کئی وار کئے ''اور اسے مار ڈالا''۔ [1]

اگر تم سچے ہو تو عذاب میں جلدی کرو

انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کے بعد وہ حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئے اور اعلانیہ ان سے کہنے لگے: ''اگر تم واقعاً خدا کے رسول ہو تو جتنی جلد ہو سکے عذاب الٰہی لے آؤ''۔ [2]

لیکن صالح علیہ السلام نے کہا: ''اے میری قوم: تم نیکیوں کی کوشش اور ان کی تلاش سے پہلے ہی عذاب اور برائیوں کے لئے جلدی کیوں کرتے ہو؟'' [3]

تم اپنی تمام تر فکر عذاب الٰہی کے نازل ہونے پر ہی کیوں مرکوز کرتے ہو؟ اگر تم پر عذاب نازل ہو گیا تو پھر تمہارا خاتمہ ہو جائے گا اور ایمان لانے کا موقع بھی ہاتھ سے چلا جائے گا۔ آؤ اور خدا کی برکت اور اس کی رحمت کے ساتھ ایمان کے زیر سایہ میری سچائی کو آزماؤ تم خدا کی بارگاہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کیوں نہیں کرتے ہو؟ تا کہ اس کی رحمت میں شامل ہو جاؤ صرف برائیوں اور عذاب نازل ہونے کا تقاضا کیوں کرتے ہو؟ یہ ہٹ دھرمی اور پاگل پن کی باتیں آخر کس لئے؟ یہ بات واقعاً عجیب ہے کہ انسان دعوائے محبت کی صداقت کو تباہ کن عذاب کے ذریعہ جانچ رہا ہے نہ کہ رحمت کا سوال کر کے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ قلبی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کے معترف تھے لیکن زبان سے اس کا انکار کیا کرتے تھے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص علم طب کا مدعی ہو اور اسے معلوم ہو کہ فلاں دوا سے صحت اور شفا حاصل ہوتی ہے اور فلاں چیز سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن وہ ایسی دوا حاصل کرنے کی کوشش کرے جو مہلک ہے نہ کہ جو مفید اور شفاء بخش۔ یہ تو واقعاً جہالت و نادانی کی حد ہے، کیونکہ یہ سب جہالت ہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی سرکشی، نافرمانی اور اس کے ہاتھوں قتل ناقہ کے بعد اسے خطرے سے آگاہ کیا اور کہا:

''پورے تین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے چاہو استفادہ کرو اور جان لو کہ ان تین دنوں کے بعد عذاب الٰہی آ کے رہے گا''۔ [4]

---

[1] سورہ اعراف آیت 77

[2] سورہ اعراف آیت 77

[3] سورہ نمل آیت 46

[4] سورہ ہود آیت 65

قوم ثمود کا انجام

قرآن کریم میں اس سرکش قوم (قوم ثمود) پر تین دن کی مدت ختم ہونے پر نزول عذاب کی کیفیت بیان کی گئی ہے: ''اس گروہ پر عذاب کے بارے میں جب ہمارا حکم آ پہنچا تو صالح اور اس پر ایمان لانے والوں کو ہم نے اپنی رحمت کے زیر سایہ نجات بخشی''۔[1]

انہیں نہ صرف جسمانی و مادی عذاب سے نجات بخشی بلکہ ''رسوائی، خواری اور بے آبروئی سے بھی انہیں نجات عطا کی کہ جو اس روز اس سرکش قوم کو دامنگیر تھی''۔[2]

کیونکہ تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر اور ہر کام پر تسلط رکھتا ہے اس کے لئے کچھ محال نہیں ہے اور اس کے ارادے کے سامنے کوئی طاقت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی، ''لہٰذا اکثر جمعیت کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے سے صاحب ایمان گروہ کو کسی قسم کی کوئی مشکل اور زحمت پیش نہیں ہوگی یہ رحمت الٰہی ہے جس کا تقاضا ہے کہ بے گناہ، گنہگاروں کی آگ میں نہ جلیں اور بے ایمان افراد کی وجہ سے مومنین گرفتار بلا نہ ہوں۔

''لیکن ظالموں کو صیحہ آسمانی نے گھیر لیا اس طرح سے کہ یہ چیخ نہایت سخت اور وحشت ناک تھی اس کے اثر سے وہ سب کے سب گھروں ہی میں زمین پر گر کر مر گئے، وہ اس طرح مرے اور نابود ہوئے اور ان کے آثار مٹ گئے کہ گویا وہ اس سرزمین میں کبھی رہتے ہی نہ تھے''۔[3]

جان لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا تھا اور انہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ''دور ہو قوم ثمود، اللہ کے لطف و رحمت سے اور ان پر لعنت ہو''۔[4]

''صیحة'' سے کیا مراد ہے؟

''صیحة'' لغت میں ''بہت بلند آواز'' کو کہتے ہیں جو عام طور پر کسی انسان یا جانور کے منہ سے نکلتی ہے لیکن اس کا مفہوم اسی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی ''نہایت بلند آواز'' اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

آیات قرآنی کے مطابق صیحہ آسمانی کے ذریعہ چند ایک گنہگار قوموں کو سزا دی گئی ہے ان میں سے ایک یہی قوم ثمود تھی، دوسری قوم لوط[5]، اور تیسری قوم شعیب۔[6]

قرآن کی دوسری آیات سے قوم ثمود کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاعقہ کے ذریعہ سزا ہوئی ارشاد الٰہی ہے: ''اگر وہ منہ پھیر لیں تو پھر کہہ دو کہ میں ایسی بجلی سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر گری''۔[7]

---

[1] سورہ ہود آیت 66

[2] سورہ ہود آیت 66

[3] سورہ ہود آیت 67-68

[4] سورہ ہود آیت 86

[5] سورہ حجر آیت 73

[6] سورہ ہود آیت 94

[7] سورہ فصلت آیت 13

یہ چیز نشاندہی کرتی ہے کہ ''صیحۃ'' سے مراد ''صاعقہ'' کی وحشت ناک آواز ہے۔ [1]

آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام بھی ایک عمومی صیحہ کے ذریعے ہوگا۔

فطری اور طبیعی ہے کہ اگر آواز کی لہروں کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوجائے تو آسانی سے ممکن ہے کہ اعصاب میں، دماغ کی رگوں میں اور دل کی دھڑکن میں تباہ کن اختلال پیدا ہوجائے جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے۔ آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام میں تباہ کن اختلال پیدا ہوجائے گا جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والے افراد

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کے دوستوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ جو آپ کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے اور حکم پروردگار کے مطابق فساد و گناہ سے لبریز اس علاقہ سے کوچ کر کے ''حضرموت'' جا پہنچے تھے۔

وادی القری میں نو (۹) مفسد ٹولوں کی سازش

یہاں پر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے جو درحقیقت گزشتہ حصے کا تتمہ ہے اور اسی پر اس داستان کا اختتام ہوتا ہے۔ اس میں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کا ذکر ہے جو نو کافر اور منافق لوگوں نے تیار کیا تھا اور خدا نے ان کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

فرمایا گیا ہے: ''اس شہر (وادی القریٰ) میں نو ٹولے تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔'' [2]

ان نو میں سے ہر گروہ کا ایک ایک سربراہ بھی تھا اور شاید ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قبیلے کی طرف منسوب بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ جب صالح علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور اپنا مقدس اور اصلاحی آئین لوگوں کے سامنے پیش کیا تو ان ٹولوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا یہی وجہ ہے کہ قرآن کے مطابق انھوں نے کہا: ''آؤ خدا کی قسم اٹھا کر عہد کریں کہ صالح علیہ السلام اور ان کے خاندان پر شب خون مار کر انہیں قتل کر دیں گے پھر ان کے خون کے وارث سے کہیں گے کہ ہمیں اس کے خاندان کے قتل کی کوئی خبر نہیں اور اپنی اس بات میں ہم بالکل سچے ہیں۔'' [3]

پھر لائق غور بات یہ ہے کہ انھوں نے قسم بھی ''اللہ'' کی کھائی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کو پوجنے کے علاوہ زمین و آسمان کے خالق اللہ پر بھی عقیدہ رکھتے تھے اور اپنے اہم مسائل میں اسی کے نام کی قسم کھاتے تھے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ اتنے مغرور اور بدمست ہو چکے تھے کہ اس قدر ہولناک جرم کے ارتکاب کے لئے بھی انھوں نے خدا ہی کا نام لیا گویا وہ کوئی اہم عبادت یا کوئی ایسا کام انجام دینے لگے ہوں جو اللہ کو بہت منظور ہے خدا سے بے خبر مغرور اور گمراہ لوگوں کا وطیرہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

---

[1] سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صاعقہ کی وحشت ناک آواز کسی جمعیت کو نابود کر سکتی ہے؟ اس کا جواب مسلماً مثبت ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آواز کی لہریں جب ایک معین حد سے گزر جائیں تو وہ شیشے کو توڑ دیتی ہیں یہاں تک کہ بعض عمارتوں کو تباہ کر دیتی ہیں اور انسانی بدن کے لئے اندر کے آرگانزم کو بیکار کر دیتی ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ جب ہوائی جہاز صوتی دیوار توڑ دیتے ہیں (اور آواز کی لہروں سے تیز رفتار سے چلتے ہیں) تو کچھ لوگ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں یا عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے ہیں یا ان علاقوں میں موجود عمارتوں کے تمام شیشے ٹوٹ جاتے ہیں۔

[2] سورہ نمل آیت 48

[3] سورہ نمل آیت 49

وہ صالح علیہ السلام کے ہمنواؤں اور ان کے قوم وقبیلہ سے خوف کھاتے تھے لہٰذا انھوں نے ایسا منصوبہ بنایا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہوجائیں اور صالح علیہ السلام کے طرفداروں کے غیظ وغضب کا بھی شکار نہ ہوں۔ گویا وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے بنابراین انھوں نے رات کے وقت حملہ کی ترکیب سوچی اور طے کرلیا کہ جب بھی کوئی شخص ان سے پوچھ گچھ کرے گا تو سب متفق ہوکر قسم اٹھائیں گے کہ اس منصوبے میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا یہاں تک کہ وہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ (کیونکہ ان کی صالح علیہ السلام کے ساتھ مخالفت پہلے سے دنیا کو معلوم تھی)۔

تاریخوں میں ہے کہ ان کی سازش کچھ یوں تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک پہاڑ تھا اور پہاڑ میں ایک غار تھی جس میں جناب صالح علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار وہ رات کو بھی اسی غار میں جا کر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے تھے اور اس سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔

انھوں نے طے کرلیا کہ وہاں کمین لگا کر بیٹھ جائیں گے جب بھی صالح وہاں آئیں گے انہیں قتل کردیں گے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ پر حملہ کرکے انہیں بھی راتوں رات موت کے گھاٹ اتار دیں گے پھر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اگر ان سے اس بارے میں کسی نے پوچھ بھی لیا تو اس سے لاعلمی کا اظہار کردیں گے۔

یہ خالی گھر ان کے ہیں؟

لیکن خداوند عالم نے ان کی اس سازش کو عجیب وغریب طریقے سے ناکام بنادیا اور ان کے اس منصوبے کو نقش برآب کردیا۔

جب وہ ایک کونے میں گھات لگائے بیٹھے تھے تو پہاڑ سے پتھر گرنے لگے اور ایک بہت بڑا ٹکڑا پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور آن کی آن میں اس نے ان سب کا صفایا کردیا۔

پھر قرآن پاک ان کی ہلاکت کی کیفیت اور ان کے انجام کو یوں بیان کرتا ہے: ''دیکھو یہ ان لوگوں ہی کے گھر ہیں کہ جواب ان کے ظلم وستم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں''۔[1]

نہ وہاں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔

نہ کسی قسم کا شور شرابہ سننے میں آتا ہے۔

اور نہ ہی وہ زرق برق گناہ بھری محفلیں دکھائی دیتی ہیں۔

جی ہاں: وہاں پر ظلم وستم کی آگ بھڑکی جس نے سب کو جلا کر راکھ کردیا۔

''ظالموں کے اس انجام میں خداوند عالم کی قدرت کی واضح نشانی اور درس عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم وآگہی رکھتے ہیں''۔[2]

لیکن اس بھٹی میں سب خشک وتر نہیں جلے بلکہ بے گناہ افراد، گناہگاروں کی آگ میں جلنے سے بچ گئے ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لاچکے تھے اور تقویٰ اختیار کرچکے تھے۔

---

[1] سورہ نمل آیت 52

[2] سورہ نمل آیت 52

بنابرایں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کے بعد ہی عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر کے قتل کی سازش کے واقعے میں فقط سازشی ٹولے ہلاک ہوئے اور دوسرے ظالموں کو سنبھل جانے کے لئے مہلت دی گئی، لیکن ناقہ کے قتل کے بعد تمام ظالم اور بے ایمان گناہگار رفتا ہو گئے جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ اعراف کی آیات کے ملانے سے یہی نکلتا ہے۔

حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق (علیہم السلام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں 69 مقامات پر آیا ہے اور 65 سورتوں میں ان کے متعلق گفتگو ہوئی ہے، قرآن کریم میں اس عظیم پیغمبر کی بہت مدح وثناء کی گئی ہے۔ اور ان کے بلند صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی ذات ہر لحاظ سے راہنما اور اسوہ ہے اور وہ ایک کامل انسان کا نمونہ تھے۔

خدا کے بارے میں ان کی معرفت، بت پرستوں کے بارے میں ان کی منطق، جابر و قاہر بادشاہوں کے سامنے ان کا انتھک جہاد، حکم خدا کے سامنے ان کا ایثار اور قربانیاں، طوفان، حوادث اور سخت آزمائشوں میں ان کی بے نظیر استقامت، صبر اور حوصلے اور ان جیسے دیگر امور، ان میں سے ہر ایک مفصل داستان ہے اور ان میں مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ قرآنی ارشادات کے مطابق وہ ایک نیک اور صالح، [1] فروتنی کرنے والے، [2] صدیق، [3] بردبار [4] اور ایفائے عہد کرنے والے تھے۔ [5] وہ ایک بے مثال شجاع اور بہادر تھے۔ نیز بہت زیادہ سخی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پر تلاطم زندگی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو تین دور میں بیان کیا جا سکتا ہے:

1۔ قبل بعثت کا دور۔

2۔ دور نبوت اور بابل کے بت پرستوں سے مقابلہ۔

3۔ بابل سے ہجرت اور مصر، فلسطین اور مکہ میں سعی و کوشش کا دور۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے۔ یہ دنیا کا حیرت انگیز اور عمدہ خطہ تھا۔ اس پر ایک ظالم و جابر اور طاقتور حکومت مسلط تھی۔ [6]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو بابل پر نمرود جیسا جابر و ظالم بادشاہ حکمراں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بابل کا بڑا خدا سمجھتا تھا۔ البتہ بابل کے لوگوں کے لئے یہی ایک بت نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مختلف مواد کے بنے ہوئے مختلف شکلوں کے کئی ایک بت تھے۔ وہ ان کے سامنے جھکتے اور ان کے عبادت کیا کرتے تھے۔

---

[1] سورہ ص آیت 44

[2] سورہ نحل آیت 122

[3] سورہ نحل آیت 120

[4] سورہ مریم آیت 41

[5] سورہ توبہ آیت 114

[6] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؑ ملک بابل کے شہر آور میں پیدا ہوئے۔

حکومت وقت سادہ لوح افراد کو بیوقوف بنانے اور انہیں افیون زدہ رکھنے کے لئے بت پرستی کو ایک مؤثر ذریعہ سمجھتی تھی لہٰذا وہ بت پرستی کی سخت حامی تھی۔ وہ کسی بھی بت کی اہانت کو بہت بڑا نا قابل معافی جرم قرار دیتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں مؤرخین نے عجیب وغریب داستان نقل کی ہے جس کا خلاصہ یوں پیش کیا جاتا ہے: بابل کے نجومیوں نے پیشن گوئی کی تھی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو نمرود کی غیر متنازعہ طاقت سے مقابلہ کرے گا۔ لہٰذا اس نے اپنی تمام قوتیں اس بات پر صرف کر دیں کہ وہ بچہ پیدا نہ ہو۔ اس کی کوشش تھی کہ ایسا بچہ پیدا ہو بھی جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور یہ بچہ آخر کار پیدا ہو گیا اس بچے کی جائے ولادت کے قریب ہی ایک غار تھی۔ اس کی ماں اس کی حفاظت کے لئے اسے اس میں لے گئی اور اسکی پرورش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس کی عمر کے تیرہ برس وہیں گزر گئے۔

اب بچہ نمرود کے جاسوسوں سے بچ بچ کر نوجوانی میں قدم رکھ چکا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اس عالم تنہائی کو چھوڑ دیا جائے اور لوگوں تک وہ درس توحید پہنچائے جو اس نے باطنی الہام اور فکری مطالعے سے حاصل کیا تھا۔

دور نبوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کب مبعوث نبوت ہوئے، اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ البتہ سورہ مریم سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپؑ نے اپنے چچا آزر سے بحث چھیڑی تو آپؑ مقام نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ آیت کہتی ہے کہ: ''اس کتاب میں ابراہیمؑ کو یاد کرو، وہ خدا کا بہت ہی سچا نبی تھا''۔ جب اس نے اپنے باپ (چچا) سے کہا: ''اے بابا تو ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے کہ جو نہ سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور تیری کوئی مشکل بھی حل نہیں کرتی''۔ [1]

ہم جانتے ہیں کہ یہ واقعہ بت پرستوں کے ساتھ شدید معرکہ آرائی اور آپ کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کا ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 16 سال تھی۔ ہم اس کے ساتھ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ عظیم کار رسالت آغاز نوجوانی میں آپؑ کے دوش پر آن پڑا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ برجستہ صفات

قرآن مجید میں خدا کی شکر گزاری ایک کامل مصداق یعنی مکتب توحید کے مجاہد اور علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا ذکر اس لحاظ سے بھی خصوصیت کا حامل ہے کہ مسلمان بالعموم اور عرب بالخصوص حضرت ابراہیم کو اپنا پہلا پیشوا اور مقتداء سمجھتے ہیں۔

اس عظیم اور بہادر انسان کی صفات میں سے یہاں صرف پانچ صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

پہلے فرمایا گیا ہے: ''ابراہیم اپنی ذات میں ایک امت تھے''۔ [2]

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''امت'' کیوں قرار دیا گیا، مفسرین نے مختلف نکات بیان کیے ہیں ان میں سے چار قابل ملاحظہ ہیں:

1۔ ابراہیم علیہ السلام انسانیت کے عظیم رہبر، مقتداء اور معلم تھے اسی بناء پر انہیں امت کہا گیا ہے کیونکہ ''امت'' اسم مفعول کے معنی میں اسے کہا جاتا ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور جس کی رہبری لوگ قبول کریں۔

---

[1] سورہ مریم آیت 41، 42

[2] سورہ نحل آیت 120

2۔ابراہیم علیہ السلام ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ اپنی ذات میں ایک امت تھے۔کیونکہ بعض اوقات کسی انسان کی شخصیت کا نور اتنی وسیع شعاعوں کا حامل ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک دو یا بہت سے افراد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی شخصیت ایک عظیم امت کے برابر ہوجاتی ہے۔

ان دونوں معانی میں ایک خاص روحانی تعلق ہے کیونکہ جو شخص کسی ملت کا سچا پیشوا ہوتا ہے وہ ان سب کے اعمال میں شریک اور حصہ دار ہوتا ہے اور گویا وہ خود امت ہوتا ہے۔

3۔وہ ماحول کہ جس میں کوئی خدا پرست نہ تھا اور جس میں سب لوگ شرک و بت پرستی کے جوہڑ میں غوطہ زن تھے۔اس میں ابراہیم علیہ السلام تن تنہا موحد اور توحید پرست تھے پس آپ تنہا ایک امت تھے اور اس دور کے مشرکین ایک الگ امت تھے۔

4۔ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے وجود کا سرچشمہ تھے اسی لئے آپ کو ''امت'' کہا گیا ہے۔اس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ اپنے دامن میں یہ تمام وسیع معانی لئے ہوئے ہو۔

جی ہاں، ابراہیم ایک امت تھے۔

وہ ایک عظیم پیشوا تھے۔

وہ ایک امت ساز جواں مرد تھے۔

جس ماحول میں کوئی توحید کا دم بھرنے والا نہ تھا وہ توحید کے عظیم علمبردار تھے۔

2۔ان کی دوسری صفت یہ تھی کہ ''وہ اللہ کے مطیع بندے تھے''۔[1]

3۔''وہ ہمیشہ اللہ کے سیدھے راستے اور طریق حق پر چلتے تھے''۔[2]

4۔''وہ کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے''۔[3]

ان کے فکر کے ہر پہلو میں، ان کے دل کے ہر گوشے میں اور ان کی زندگی کے ہر طرف اللہ ہی کا نور جلوہ گر تھا۔

5۔ان تمام خصوصیات کے علاوہ ''وہ ایسے جواں مرد تھے کہ اللہ کی سب نعمتوں پر شکر گزار تھے''۔[4]

ان پانچ صفات کو بیان کرنے کے بعد ان کے اہم نتائج بیان کیے گئے ہیں:

1۔''اللہ نے ابراہیم کو نبوت اور دعوت کی تبلیغ کے لئے منتخب کیا''۔[5]

2۔''اللہ نے انہیں راہ است کی ہدایت کی''۔[6]

اور انہیں ہر قسم کی لغزش اور انحراف سے بچایا۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ خدائی ہدایت ہمیشہ لیاقت و اہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جس کا مظاہرہ خود انسان کی طرف سے ہوتا

---

[1] سورہ نحل آیت 120

[2] سورہ نحل آیت 120

[3] سورہ نحل آیت 120

[4] سورہ نحل آیت 121

[5] سورہ نحل آیت 121

[6] سورہ نحل آیت 121

ہے اس کی طرف سے کسی کو کوئی چیز استعداد اور کسی حساب کتاب کے بغیر نہیں دی جاتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی بنیاد پر یہ ہدایت نصیب ہوئی۔

3۔ ''ہم نے دنیا میں انہیں ''حسنہ'' سے نوازا وسیع معنی کے اعتبار سے ''حسنہ'' میں ہر قسم کی نیکی اور اچھائی کا مفہوم موجود ہے اس میں مقام نبوت رسالت سے لے کر اچھی اولاد وغیرہ تک کا مفہوم موجود ہے۔

4۔ ''اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے''۔ [1]

5۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا امتیاز عطا فرمایا ہے کہ ان کا مکتب و مذہب صرف ان کے اہل زمانہ کے لئے نہ تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے تھا خاص طور پر اسلامی امت کے لئے بھی یہ ایک الہام بخش مکتب قرار پایا ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''پھر ہم نے تجھے وحی کی دین ابراہیم کی اتباع کر کہ جو خالص توحید کا دین ہے''۔ [2]

ابراہیم علیہ السلام سب کے لئے نمونہ ہیں

قرآن مجید بہت سے موارد میں اپنی تعلیمات کی تکمیل کے لئے ایسے نمونے جو جہان انسانیت میں موجود ہیں، گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس لئے قرآن میں بھی دشمنان خدا سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے بعد، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقہ کار میں ایک ایسے عظیم پیشوا کے عنوان سے جو تمام اقوام کے لئے اور خاص طور پر قوم عرب کے لئے احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔'' [3]

ابراہیم علیہ السلام پیغمبروں کے بزرگ تھے۔ ان کی زندگی سرتاسر خدا کی عبودیت، جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی پاک ذات کے عشق کے لئے ایک سبق تھی۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کہ امت اسلامی ان کی بابرکت دعا کا نتیجہ ہے اور ان کے رکھے ہوئے نام پر فخر کرتی ہے؛ وہ تمہارے لئے اس سلسلہ میں ایک اچھا نمونہ بن سکتے ہیں۔

''**والذین معه**'' (جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے) کی تعبیر سے مراد وہ مومنین ہیں جو اس راہ میں ان کے پیرو اور ساتھی رہے۔ اگرچہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔ باقی رہا یہ احتمال کہ اس سے مراد وہ پیغمبر ہیں جو آپ کے ساتھ ہم آواز تھے یا ان کے زمانے کے پیغمبر، جیسا کہ بعض نے احتمال دیا ہے۔ تاہم یہ بہت بعید نظر آتا ہے۔ خصوصاً جبکہ مناسب یہ ہے کہ قرآن یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اور مسلمانوں کو ان کے اصحاب اور انصار سے تشبیہ دے۔

یہ تواریخ میں بھی آیا ہے کہ بابل میں ایک گروہ ایسا تھا، جو ابراہیم علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد ان پر ایمان لے آیا تھا اور شام کی طرف ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کچھ وفادار یار و انصار بھی تھے۔

شائستہ اولاد

قرآن کریم میں بعض ان نعمات میں سے ایک کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی تھیں، اور وہ نعمت ہے صالح اور آبرومند اور لائق نسل جو نعمات الٰہی میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے۔

---

[1] سورہ نحل آیت 122

[2] سورہ نحل آیت 4

[3] سورہ ممتحنہ آیت 4

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب (فرزند اسحاق) عطا کئے''۔ [1]

اور اگر یہاں ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند اسماعیل کی طرف اشارہ نہیں ہوا بلکہ بحث کے دوران کہیں ذکر آیا ہے شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اسحاق کا سارہ جیسی بانجھ ماں سے پیدا ہونا، وہ بھی بڑھاپے کی عمر میں، بہت عجیب وغریب امر اور ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کہیں یہ تصور نہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے دور میں کوئی علم بردار توحید نہیں تھا اور یہ کام بس انہی کے زمانے سے شروع ہوا ہے مزید کہتا ہے: ''اس سے پہلے ہم نے نوح کی بھی ہدایت ورہبری کی تھی''۔ [2]

اور ہم جانتے ہیں کہ نوح پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جو آئین وشریعت کے حامل تھے اور وہ پیغمبران اولوالعزم کے سلسلے کی پہلی کڑی تھے۔

حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت اور ان کے مقام کی طرف اشارہ کر کے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں، اور اسی طرح پیغمبروں کے اس گروہ کے مقام کا تذکرہ کر کے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ذریت میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ممتاز حیثیت کو وراثت، اصل اور ثمرہ کے حوالے سے مشخص کیا گیا ہے۔

اور اس کے بعد بہت سے انبیاء کے نام گنوائے ہیں جو ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون تھے''۔ [3]

اس کے بعد: ''زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کا نام لیا گیا ہے اور مزید کہا گیا ہے کہ یہ سب صالحین میں سے تھے۔'' [4]

آزر سے گفتگو

اس کے بعد ان کی اپنے باپ آزر کے ساتھ گفتگو بیان کی گئی ہے۔ (یہاں باپ سے مراد چچا ہے اور لفظ ''ابا'' عربی لغت میں کبھی باپ کے معنی میں اور کبھی چچا کے معنی میں آتا ہے)۔

قرآن کہتا ہے: اس وقت جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا: ''تو ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور نہ ہی تیری کوئی مشکل حل کر سکتی ہے''۔ [5]

یہ مختصر اور زوردار بیان شرک اور بت پرستی کی نفی ونقصان کا احتمال ہے اسے علمائے عقائد ''دفع ضرر محتمل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں کہ تو ایسے معبود کی طرف کیوں جاتا ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ تیری کسی مشکل کو حل نہیں کر سکتا، بلکہ وہ تو اصلاً سننے اور دیکھنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

دوسرے لفظوں میں عبادت ایسی ہستی کی کرنی چاہئے کہ جو مشکلات حل کرنے کی قدرت رکھتی ہو، اپنی عبادت کرنے والے کی حاجات وضروریات کو جانتی، دیکھتی اور سن سکتی ہو لیکن ان بتوں میں یہ تمام باتیں مفقود ہیں۔

---

[1] سورہ انعام آیت 84

[2] سورہ انعام آیت 84

[3] سورہ انعام آیت 84

[4] سورہ انعام آیت 85

[5] سورہ مریم آیت 42

درحقیقت ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنی دعوت اپنے چچا سے شروع کرتے ہیں، کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں اثر ونفوذ پیدا کرنا زیادہ ضروری ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ پہلے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام واضح منطق کے ساتھ اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس امر میں ان کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں: ''اے بابا! مجھے وہ علم ودانش ملی ہے جو تجھے نصیب نہیں ہوئی اس بنا پر تو میری پیروی کر اور میری بات سن میری پیروی کرتا کہ میں تجھے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کروں''۔

میں نے وحی الٰہی کے ذریعہ سے بہت علم وآگہی حاصل کی ہے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں خطا کے راستے پر نہیں چلوں گا تجھے بھی ہرگز غلط راستے کی دعوت نہیں دوں گا میں تیری خوش بختی وسعادت کا خواہاں ہوں تو میری بات مان لے تا کہ فلاح ونجات حاصل کر سکے اور اس صراط مستقیم کو طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ جا۔

اس کے بعد اس اثباتی پہلو کو منفی پہلو اور ان آثار کے ساتھ ملاتے ہوئے، کہ جو اس دعوت پر مترتب ہوتے ہیں، کہتے ہیں: ''اے بابا: شیطان کی پرستش نہ کر کیونکہ شیطان ہمیشہ خدائے رحمٰن کا نافرمان رہا ہے''۔[1]

البتہ ظاہر ہے کہ یہاں عبادت سے مراد شیطان کے لئے سجدہ کرنے اور نماز روزہ بجالانے والی عبادت نہیں ہے بلکہ اطاعت اور اس کے علم کی پیروی کرنے کے معنی میں ہے اور یہ بات خود ایک قسم کی عبادت شمار ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ پھر اسے شرک اور بت پرستی کے برے نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اے بابا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تیرے اختیار کردہ شرک وبت پرستی کے سبب خدائے رحمٰن کی طرف سے تجھ پر عذاب آئے اور تو اولیائے شیطان میں سے ہو جائے''۔[2]

اے ابراہیم تم پر پتھر برساؤں گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان کے چچا کی ہدایت کے سلسلے میں منطقی باتیں جو خاص لطف ومحبت کی آمیزش رکھتی تھیں گزر چکی ہیں اب آزر کے جوابات بیان کرنے کی نوبت ہے تا کہ ان دونوں کا آپس میں موازنہ کرنے سے حقیقت اور واقعیت ظاہر ہو جائے۔قرآن کہتا ہے کہ نہ صرف ابراہیم کی دل سوزیاں اور ان کا مدلل بیان آزر کے دل پر اثر انداز نہ ہو سکا بلکہ وہ ان باتوں کو سن کر سخت برہم ہوا، اور اس نے کہا: ''اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے خداؤں سے روگردان ہے، اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گا تو میں ضرور ضرور تجھے سنگسار کروں گا، اور تو اب مجھ سے دور ہو جا میں پھر تجھے نہ دیکھوں''۔[3]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اولاً آزر یہ تک کہنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ بتوں کے انکار، یا مخالفت اور ان کے بارے میں بدگوئی کا ذکر زبان پر لائے، بلکہ بس اتنا کہا: کیا تو بتوں سے روگردان ہے؟ تا کہ کہیں ایسا نہ ہو بتوں کے حق میں جسارت ہو جائے ثانیاً ابراہیم علیہ السلام کو تہدید کرتے وقت اسے سنگسار کرنے کی تہدید کی وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ جو ''لام'' اور ''نون'' تاکید ثقیلہ سے جو ''لارجمنك'' میں وارد ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ سنگسار کرنا قتل کرنے کی ایک بدترین قسم ہے ثالثاً اس مشروط تہدید اور دھمکی پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اس حالت میں جناب ابراہیم کو ایک ناقابل برداشت وجود شمار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے میری

---

[1] سورہ مریم آیت 44

[2] سورہ مریم آیت 45

[3] سورہ مریم آیت 46

نظروں سے دور ہو جا۔

یہ تعبیر بہت ہی توہین آمیز ہے، جسے سخت مزاج افراد اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور فارسی زبان میں اس کی جگہ ''گورت را گم کن'' کہتے ہیں، یعنی نہ صرف اپنے آپ کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھپالے بلکہ کسی ایسی جگہ چلے جاؤ کہ میں تمہاری قبر تک کو بھی نہ دیکھوں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام پیغمبروں اور آسمانی رہبروں کی مانند اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھا، اور تندی اور تیزی اور شدید خشونت وسختی کے مقابلے میں انتہائی بزرگواری کے ساتھ کہا: ''سلام ہو تجھ پر''۔ [1]

ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام الوداعی اور خدا حافظی کا سلام ہو، کیونکہ اس کے چند جملوں کے کہنے کے بعد حضرت ابرہیم علیہ السلام نے آزر کو چھوڑ دیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام ہو کہ جو دعویٰ اور بحث کو ترک کرنے کے لئے کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ قصص میں ہے: ''اب جبکہ تم ہماری بات قبول نہیں کرتے ہو، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہے ہم جاہلوں کے ہوا خواہ نہیں ہیں''۔ [2]

اس کے بعد مزید کہا: ''میں عنقریب تیرے لئے اپنے پروردگار سے بخشش کی درخواست کروں گا، کیونکہ وہ میرے لئے رحیم ولطیف اور مہربان ہے''۔ [3]

حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کی خشونت وسختی اور تہدید ودھمکی کے مقابلے میں اسی جیسا جواب دینے کی بجائے اس کے برخلاف جواب دیا اور اس کے لئے پروردگار سے استغفار کرنے اور اس کے لئے بخشش کی دعا کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ: ''میں تم سے (تجھ سے اور اس بت پرست قوم سے) کنارہ کشی کرتا ہوں اور اسی طرح ان سے بھی کہ جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو، یعنی بتوں سے بھی (کنارہ کشی کرتا ہوں)'' اور میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری دعا میرے پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئے بغیر نہیں رہے گا''۔ [4]

قرآن ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے مقابلے میں ادب کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ اس نے کہا کہ مجھ سے دور ہو جا تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسے قبول کر لیا اور دوسری طرف ان کی اپنے عقیدہ میں قاطعیت اور یقین کو واضح کرتی ہے یعنی وہ واضح کر رہے ہیں کہ میری تم سے یہ دوری اس بناء پر نہیں ہے کہ میں نے اپنے توحیدا عتقاد راسخ سے دستبرداری اختیار کر لی ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ میں تمہارے نظریہ کو حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، لہٰذا میں اپنے عقیدے پر اسی طرح قائم ہوں۔

ضمنی طور پر یہ کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے خدا سے دعا کروں تو وہ میری دعا کو قبول کرتا ہے لیکن تم بیچارے تو اپنے سے زیادہ بیچاروں کو پکارتے ہو اور تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ تو تمہاری باتوں کو سنتے تک نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول کی وفا کی اور اپنے عقیدہ پر جتنا زیادہ سے زیادہ استقامت کے ساتھ رہا جا سکتا ہے، باقی رہے، ہمیشہ توحید کی منادی کرتے رہے اگر چہ اس وقت کے تمام فاسد اور برے معاشرے نے ان کے خلاف قیام کیا لیکن وہ جناب بالآخر اکیلے نہ رہے اور تمام قرون واعصار میں بہت سے پیروکار پیدا کر لئے اس طور پر کہ دنیا کے تمام خدا پرست لوگ ان کے وجود پر

---

[1] سورہ مریم آیت 47

[2] سورہ قصص آیت 55

[3] سورہ مریم آیت 47

[4] سورہ مریم آیت 48

فخر کرتے ہیں۔[1]

لفظ ''اب''عربی زبان میں عام طور پر باپ کے لئے بولا جاتا ہے، اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بعض اوقات چچا، نانا، مربی ومعلم اور اسی طرح وہ افراد کہ جو انسان کی تربیت میں کچھ نہ کچھ زحمت ومشقت اٹھاتے ہیں ان پر بھی بولا جاتا ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ جب یہ لفظ بولا جائے اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو پھر معنی کے لئے پہلے باپ ہی ذہن میں آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سچ مچ قرآن کہتا ہے کہ وہ بت پرست شخص (آزر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا، تو کیا ایک بت پرست اور بت ساز شخص ایک اولوالعزم پیغمبر کا باپ ہوسکتا ہے، اس صورت میں کیا انسان کی نفسیات وصفات کی وراثت اس کے بیٹے میں غیر مطلوب اثرات پیدا نہیں کردے گی۔

اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے پہلے سوال کا مثبت جواب دیا ہے اور آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ سمجھا ہے، جب کہ تمام مفسرین وعلماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، بعض اسے آپ کا نانا اور بہت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا سمجھتے ہیں۔

وہ قرائن جو شیعہ علماء کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں حسب ذیل ہیں:

1۔ کسی تاریخی منبع ومصدر اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر شمار نہیں کیا گیا بلکہ سب نے ''تارخ'' لکھا ہے۔ کتب عہدین میں بھی یہی نام آیا ہے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ جو لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تھا، یہاں انہوں نے ایسی توجیہات کی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور اس کا لقب آزر تھا۔ حالانکہ یہ لقب بھی منابع تاریخ میں ذکر نہیں ہوا۔ یا یہ کہ آزر ایک بت تھا کہ جس کی ابراہیم علیہ السلام کا باپ پوجا کرتا تھا، حالانکہ یہ احتمال قرآنی آیت کے ظاہر کے ساتھ جو یہ کہتی ہے کہ آزر ان کا باپ تھا کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتی، مگر یہ کہ کوئی جملہ یا لفظ مقدر مانیں جو کہ خلاف ظاہر ہو۔

2۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ مسلمان یہ حق نہیں رکھتے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے عزیز وقریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد اس غرض سے کہ کوئی آزر کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو دستاویز قرار نہ دے اس طرح کہتا ہے:

''ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر کے لئے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھی جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔[2]

چونکہ آپ نے یہ کہا تھا کہ: ''یعنی میں عنقریب تیرے لئے استغفار کروں گا۔''

یہ اس امید پر تھا کہ شاید وہ اس وعدہ کی وجہ سے خوش ہوجائے اور بت پرستی سے باز آجائے لیکن جب اسے بت پرستی کی راہ میں پختہ اور ہٹ دھرم پایا تو اس کے لئے استغفار کرنے سے دستبردار ہوگئے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے مایوس ہوجانے کے بعد پھر کبھی اس کے لئے طلب مغفرت نہیں کی۔ اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ تمام قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوانی کے زمانے کا ہے جب کہ آپ شہر بابل میں رہائش پذیر تھے اور بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ اور مقابلہ کررہے تھے۔

---

[1] کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا؟

[2] سورہ توبہ آیت 114

لیکن قرآن کی دوسری آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت کی ہے (البتہ ان آیات میں جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، باپ سے ''اب'' کو تعبیر نہیں کیا بلکہ ''والد'' کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو صراحت کے ساتھ باپ کے مفہوم کو ادا کرتا ہے)۔

جیسا کہ قرآن میں ہے: ''حمد وثنا اس خدا کے لئے ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے، میرا پروردگار دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے، اے پروردگار مجھے، میرے ماں باپ اور مومنین کو قیامت کے دن بخش دے''۔ (سورہ ابراہیم آیت 39 و 41 سورہ ابراہیم کی اس آیت کو سورہ توبہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے جو مسلمانوں کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع کرتی ہے اور ابراہیم کو بھی ایسے کام سے سوائے ایک مدت محدود کے وہ بھی صرف ایک مقدس مقصد و ہدف کے لئے روکتی ہے، اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ زیر بحث قرآنی آیت میں ''اب'' سے مراد باپ نہیں ہے بلکہ چچا یا نانا یا کوئی اور اسی قسم کا رشتہ ہے دوسرے لفظوں میں ''والد'' باپ کے معنی میں صریح ہے جب کہ ''اب'' میں صراحت نہیں پائی جاتی۔

قرآن کی آیات میں لفظ ''اب'' ایک مقام پر چچا کے لئے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً سورہ بقرہ آیت 133:

یعقوبؑ کے بیٹوں نے اس سے کہا ہم تیرے خدا اور تیرے آباء ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے خدائے یکتا کی پرستش کرتے ہیں۔

ہم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے باپ نہیں تھے۔

3۔ مختلف اسلامی روایات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''خداوند تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک آباؤ اجداد کے صلب سے پاک ماؤں کے رحم میں منتقل کرتا رہا اور اس نے مجھے کبھی زمانہ جاہلیت کی آلودگیوں اور گندگیوں میں آلودہ نہیں کیا''۔

طبری جو علمائے اہل سنت میں سے ہے اپنی تفسیر جامع البیان میں مشہور مجاہد سے نقل کرتا ہے۔ وہ صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

اہل سنت کا ایک دوسرا مفسر الوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں مندرجہ ذیل قرآنی گفتگو میں کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ آزر، ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا شیعوں سے مخصوص ہے ان کی کم اطلاعی کی وجہ سے ہے کیونکہ بہت سے علماء (اہل سنت) بھی اسی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

''سیوطی''، مشہور سنی عالم کتاب ''مسالک الحنفاء'' میں فخر الدین رازی کی کتاب ''اسرار التنزیل'' سے نقل کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ اور اجداد کبھی بھی مشرک نہیں تھے اور اس حدیث سے جو ہم اوپر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر چکے ہیں استدلال کیا ہے، اس کے بعد سیوطی خود اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم اس حقیقت کو دو طرح کی اسلامی روایات سے ثابت کر سکتے ہیں:

پہلی قسم کی روایات تو وہ ہیں کہ جو یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر کے آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام تک ہر ایک اپنے زمانہ کا بہترین فرد تھا (ان احادیث کو ''صحیح بخاری'' اور ''دلائل النبوۃ'' سے بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے)۔

اور دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ ہر زمانے میں مؤحد و خدا پرست افراد موجود رہے ہیں، ان دونوں قسم کی

روایت کو باہم ملانے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اجداد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام کے باپ بھی ہیں یقیناً مؤحد تھے۔

آسمانوں میں توحید کے دلائل

اس میں شک نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کی واضح ترین آلودگی شرک و بت پرستی ہے اور جنہوں نے اسے آلودگی کو زنا میں منحصر سمجھا ہے ان کے پاس اپنے قول پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے خصوصا جبکہ قرآن کہتا ہے: ''مشرکین گندگی میں آلودہ اور ناپاک ہیں''۔[1]

اس سرزنش اور ملامت کے بعد جو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی کرتے تھے، اور اس دعوت کے بعد جو آپ نے آزر کو بت پرستی کو ترک کرنے کے لئے کی تھی یہاں خدا ابراہیم علیہ السلام کے بت پرستوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ منطقی مقابلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے واضح عقلی استدلالات کے طریق سے اصل توحید کو ثابت کرنے کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

قرآن پہلے کہتا ہے: ''جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کے نقصانات سے آگاہ کیا اسی طرح ہم نے اس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین پر پروردگار کی مالکیت مطلقہ اور تسلط کی نشاندہی کی''۔[2]

اس میں شک نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کی یگانگت کا استدلال وفطری یقین رکھتے تھے، لیکن اسرار آفرینش کے مطالعہ سے یہ یقین درجہ کمال کو پہنچ گیا، جیسا کہ وہ قیامت اور معاد کا یقین رکھتے تھے، لیکن سر بریدہ پرندوں کے زندہ کرنے کے مشاہدہ سے ان کا ایمان ''عین الیقین'' کے مرحلہ کو پہنچ گیا۔

اس کے بعد میں اس موضوع کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے جو ستاروں اور افتاب کے طلوع وغروب سے ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کو ان کے خدا نہ ہونے پر واضح کرتا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''جب رات کے تاریک پردے نے سارے عالم کو چھپا لیا تو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ستارہ ظاہر ہوا، ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ میرا خدا ہے؟ لیکن جب وہ غروب ہوگیا تو انھوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ میں ہرگز ہرگز غروب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انہیں عبودیت وربوبیت کے لائق نہیں سمجھتا''۔[3]

انھوں نے دوبارہ اپنی آنکھیں صفحہ آسمان پر گاڑ دیں، اس دفعہ چاند کی چاندی جیسی ٹکیہ وسیع اور دل پذیر روشنی کے ساتھ صفحہ آسمان پر ظاہر ہوئی، جب چاند کو دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ ہے میرا پروردگار؟ لیکن اخر کار چاند کا انجام بھی اس ستارے جیسا ہی ہوا اور اس نے بھی اپنا چہرہ پردہ افق میں چھپا لیا، تو حقیقت کے متلاشی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھے اپنی طرف رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں کی صف میں جا کھڑا ہوں گا۔[4]

اس وقت رات اخر کو پہنچ چکی تھی اور اپنے تاریک پردوں کو سمیٹ کر آسمان کے منظر سے بھاگ رہی تھی، آفتاب نے افق مشرق سے سر نکالا اور اپنی زیبا اور لطیف نور کو زربفت کے ایک ٹکڑے کی طرح دشت وکوہ و بیابان پر پھیلا دیا، جس وقت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت بین نظر اس کے خیرہ کرنے والے نور پر پڑی تو پکار کر کہا: کیا میرا خدا یہ ہے؟ جو سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے، لیکن سورج کے غروب ہوجانے اور آفتاب کی ٹکیہ کے ہیولائے شب کے منہ میں چلے جانے سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری بات

---

[1] سورہ توبہ آیت 28

[2] سورہ انعام آیت 76

[3] سورہ انعام آیت 76

[4] سورہ انعام آیت 77

ادا کی ،اور کہا: ''اے گروہ (قوم) میں ان تمام بناوٹی معبودوں سے جنھیں تم نے خدا کا شریک قرار دے لیا ہے بری و بیزار ہوں''۔ [۱]

اب جبکہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس متغیر و محدود اور قوانین طبیعت کے چنگل میں اسیر مخلوقات کے ماوراء ایک ایسا خدا ہے کہ جو اس سارے نظام کائنات پر قادر و حاکم ہے، ''تو میں تو اپنا رخ ایسی ذات کی طرف کرتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس عقیدے میں کم سے کم شرک کو بھی راہ نہیں دیتا، میں تو موحد خالص ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں''۔ [۲]

توحید کی دعوت

قرآن دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا؛ اور جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ: خدائے واحد کی پرستش کرو اور اس کے لئے تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اگر تم جان لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے''۔ [۳]

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دلائل بت پرستی کا باطل ہونا ثابت کرتے ہیں آپ نے اس دعویٰ کو مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے اور ان مشرکین کے معتقدات اور روش حیات کو نادرست ثابت کیا ہے۔

پہلی بات انھوں نے یہ فرمائی کہ: ''تم خدا سے منحرف ہو کے بتوں کی عبادت کرتے ہو''۔ [۴]

حالانکہ یہ بت بے روح مجسمے ہیں نہ یہ صاحب ارادہ ہیں نہ صاحب عقل اور نہ صاحب شعور وہ ان تمام اوصاف سے محروم ہیں ان کی ہیت ہی بت پرستی کے عقیدے کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''صرف ان بتوں کی وضع ہی یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ معبود نہیں ہیں'' بلکہ تم بھی جانتے ہو کہ ''تم جھوٹی باتیں کرتے ہو اور ان بتوں کو معبود کہتے ہو''۔ [۵]

تمہارے پاس اس جھوٹ کو ثابت کرنے کی بجز چند اوہام و خرافات کے اور کیا دلیل ہے۔

---

[۱] سورہ انعام آیت 78

[۲] سورہ انعام آیت 79

جناب ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد و یکتا پرست نے کس طرح آسمان کے ستارے کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ یہ میرا خدا ہے مفسرین نے بہت بحث کی ہے، ان تمام تفاسیر میں سے دو تفسیریں زیادہ قابل ملاحظہ ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کو بعض بزرگ مفسرین نے اختیار کیا ہے ہم ان میں سے ایک کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ستارہ پرستوں اور سورج پرست لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے کی اور احتمال یہ ہے کہ بابل میں بت پرستوں کے ساتھ سخت قسم کے مقابلے اور مبارزات کرنے اور اس زمین سے شام کی طرف نکلنے کے بعد جب ان اقوام سے ان کا سامنا ہوا تو اس وقت یہ گفتگو کی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں نادان قوموں کی ہٹ دھرمی کو ان کی غلط راہ و رسم میں آزما چکے تھے لہٰذا اس بنا پر کہ آفتاب و ماہتاب کے پجاریوں اور ستارہ پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کریں، پہلے ان کے ہم صدا ہو گئے اور ستارہ پرستوں سے کہنے لگے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ زہرہ ستارہ میرا پروردگار ہے، بہت اچھا چلو اسے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ اس عقیدے کا انجام تمہارے سامنے پیش کروں، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس ستارے کا چمکدار چہرہ افق کے تاریک پردے کے پیچھے چھپ گیا، یہ وہ مقام تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک محکم ہتھیار آ گیا اور وہ کہنے لگے میں تو کبھی ایسے معبود کو قبول نہیں کر سکتا، اس بنا پر "ھذا ربی" کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے عقیدے کے مطابق یہ میرا خدا ہے، یا یہ کہ آپ نے بطور استفہام فرمایا: ''کیا یہ میرا خدا ہے''؟

ستارہ سے کون سا ستارہ مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن زیادہ تر مفسرین نے زہرہ یا مشتری کا ذکر کیا ہے اور کچھ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانوں میں ان دونوں ستاروں کی پرستش کی جایا کرتی تھی اور خداوں کے حصہ شمار ہوتے تھے لیکن اس حدیث میں جو امام علی بن موسی رضا علیہ السلام سے عیون الاخبار میں نقل ہوئی ہے یہ تصریح ہوئی ہے کہ یہ زہرہ ستارہ تھا، تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی بات مروی ہے۔

[۳] سورہ عنکبوت آیت 16

[۴] سورہ عنکبوت آیت 17

[۵] سورہ عنکبوت آیت 17

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تیسری دلیل دیتے ہیں: اگر تم ان بتوں کو مادی منفعت کے لئے پوجتے ہو یا دوسرے جہان میں فائدے کے لئے، دونوں صورتوں میں تمہارا یہ خیال باطل ہے'' کیونکہ تم خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق اور روزی نہیں دے سکتے''۔ [1]

تم خود اقرار کرتے ہو کہ یہ بت خالق نہیں ہیں بلکہ خالق حقیقی خدا ہے اس بناء پر روزی دینے والا بھی وہی ہے ''لہٰذا تم روزی خدا سے طلب کرو''۔ [2]

اور چونکہ روزی دینے والا وہی ہے ''لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالاؤ''۔ [3]

اس مفہوم کا ایک پہلو یہ بھی ہے منعم حقیقی کے حضور میں ''حس شکر گزاری'' سے بھی عبادت کی تحریک ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ منعم حقیقی خدا ہی ہے پس شکر اور عبادت بھی اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

''نیز اگر تم آخرت کی زندگی کے خواستگار ہو تو سمجھ لو کہ ہم سب کی بازگشت اسی طرف ہے'' نہ کہ بتوں کی طرف۔ [4]

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تہدید کے طور پر ان مشرکین کی سرکشی سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر تم میرے پیام کی تکذیب کرتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں انھوں نے بھی اس طرح اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے اور آخر کار ان کا انجام بڑا دردناک ہوا''۔ [5]

''رسول اور فرستادۂ خدا کا فرض واضح ابلاغ کے علاوہ اور کچھ نہیں''۔ [6]

خواہ لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

ہمارے بڑے بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے

ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں انھوں نے کہا: ''ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سارا دن ان پر توجہ رکھتے ہیں اور نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں''۔ [7]

اس تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ فقط اپنے اس عمل پر شرمندہ نہیں تھے بلکہ اس پر فخر و مباہات بھی کیا کرتے تھے کیونکہ (''ہم بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں'') کا جملہ ان کے مقصود اور مدعا کے بیان کے لئے کافی تھا، ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا ''ہم سارا سارا دن ان کے آستان پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں''۔

بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے ان کی یہ باتیں سن کر ان پر اعتراضات کی بوچھار کر دی اور دوز بردست منطقی اور معتدل جملوں کے ذریعہ انہیں ایسی جگہ لا کھڑا کیا جہاں ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' کے مصداق ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا آپ نے ان

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 17
[2] سورہ عنکبوت آیت 17
[3] سورہ عنکبوت آیت 17
[4] سورہ عنکبوت آیت 17
[5] سورہ عنکبوت آیت 17
[6] سورہ عنکبوت آیت 18
[7] سورہ شعراء آیت 71

سے فرمایا: ''جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری فریاد سنتے بھی ہیں؟''، ''یا کیا وہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں''[1]

لیکن متعصب لوگ بجائے اس کے کہ اس منطقی سوال کا کوئی ٹھوس جواب دیتے وہی پرانا اور بار بار کا دہرایا ہوا جواب پیش کرتے ہیں: ''انھوں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے''[2]

ان کا یہ جواب اپنے جاہل اور نادان بزرگوں کی اندھی تقلید کو بیان کر رہا ہے وہ جو جواب ابراہیم علیہ السلام کو دے سکتے تھے یہی تھا اور بس یہ ایسا جواب جس کے بطلان کی دلیل خود اسی میں موجود ہے اور کوئی بھی عقل مند انسان اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے لگ جائے، خاص کر جبکہ آنے والے لوگوں کے تجربے گزشتہ لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی اندھی تقلید کا نہ تو کوئی جواز رہتا ہے اور نہ ہی کوئی دلیل۔

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منظر

یہاں پر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے واقعہ اور ان سے بت پرستوں کی شدید مڈھ بھیڑ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔[3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بات سو فی صد صحیح اور محکم ہے اور وہ اس عقیدہ پر ہر مقام تک قائم ہیں اور اس کے نتائج و لوازم کو جو کچھ بھی ہوں انہیں جان و دل سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مزید کہتے ہیں: ''مجھے خدا کی قسم جس وقت تم یہاں پر موجود نہیں ہو گے اور یہاں سے کہیں باہر جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کو نابود کرنے کا منصوبہ بناؤں گا''۔[4]

ان کی مراد یہ تھی کہ انہیں صراحت کے ساتھ سمجھا دیں کہ آخر کار میں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں نابود اور درہم و برہم کر دوں گا۔

لیکن شاید ان کی نظر میں بتوں کی عظمت اور رعب اس قدر تھا کہ انھوں نے اس کو کوئی سنجیدہ بات نہ سمجھا اور کوئی ردّ عمل ظاہر نہ کیا شاید انھوں نے یہ سوچا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی قوم و ملّت کے مقدسات کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے، جبکہ ان کی حکومت بھی سو فی صد ان کی حامی ہے وہ کس طاقت کے بل بوتے پر ایسا کام کرے گا۔

وہ اسی راہ توحید و عدل اور راسی راہ تقویٰ و اخلاص پر گامزن تھا جو نوح کی سنت تھی، کیونکہ انبیاء سارے کے سارے ایک ہی مکتب کے مبلغ اور ایک ہی یونیورسٹی کے استاد ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پروگرام کو دوام بخشتا اسے آگے بڑھاتا اور اس کی تکمیل کرتا ہے، کیسی عمدہ تعبیر ہے کہ ابراہیم، علیہ السلام نوح کے شیعوں میں سے تھے حالانکہ ان دونوں کے زمانے میں بہت فاصلہ تھا (بعض مفسرین کے قول کے مطابق تقریباً 2600 سال فاصلہ تھا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ مکتبی رشتے میں زمانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جو بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ اپنے دل میں کہا تھا یا بعض مخصوص افراد سے کہا تھا کسی لحاظ سے اس کی ضرورت نہیں ہے، خاص طور پر جبکہ یہ بات کامل طور سے قرآن کریم کے خلاف ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بت پرستوں کو ابراہیمؑ کی یہ بات یاد آ گئی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا

---

[1] سورہ شعراء آیات 72، 73

[2] سورہ شعراء آیت 74

[3] قرآن مجید میں واقعہ ابراہیم کو قصہ کے ساتھ اس طرح سے منسلک کیا گیا ہے: ''اور ابراہیم، نوح کے پیروکاروں میں سے تھے۔'' (سورہ صافات آیت 83)

[4] سورہ انبیاء آیت 57

ہے کہ ایک جوان بتوں کے خلاف ایک سازش کی بات کرتا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن جبکہ بُت خانہ خالی پڑا تھا، اور بُت پرستوں میں سے کوئی وہاں موجود نہیں تھا، اپنے منصوبہ کو عملی شکل دے دی۔

بابل کے بت پرست ہر سال ایک مخصوص عید کے دن کچھ رسومات ادا کیا کرتے تھے بت خانہ میں کھانے تیار کرتے ہیں اور وہیں انہیں دسترخوان پر چن دیتے تھے اس خیال سے کہ یہ کھانے متبرک ہو جائیں گے۔اس کے بعد سب کے سب مل کر اکٹھے شہر سے باہر چلے جاتے تھے اور دن کے آخر میں واپس لوٹتے تھے اور عبادت کرنے اور کھانا کھانے کے لئے بت خانہ میں آجاتے تھے۔ایک روز اسی طرح جب شہر خالی ہو گیا اور بتوں کو توڑنے اور انہیں درہم برہم کرنے کے لئے ایک اچھا موقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ آ گیا۔یہ ایسا موقع تھا جس کا ابراہیم عرصے سے انتظار کر رہے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

لہٰذا جب انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جشن میں شرکت کی دعوت دی تو ''اس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا میں تو بیمار ہوں''۔[1] اور اس طرح سے اپنی طرف سے عذر خواہی کی۔

''انھوں نے رخ پھیرا اور جلدی سے اس سے دور ہو گئے''۔[2]

اور اپنے رسم ورواج کی طرف روانہ ہو گئے۔[3]

تم یہ بہترین اور شیرین غذا کیوں نہیں کھاتے

حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے شہر میں رہ گئے اور بت پرست شہر خالی کر کے باہر چلے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ادھر ادھر دیکھا، شوق کی بجلی ان کی آنکھوں میں چمکی، وہ لمحات جن کا وہ ایک مدت سے انتظار کر رہے تھے آن پہنچے، انھوں نے اپنے آپ

---

[1] سورہ صافات 88-89

[2] سورہ صافات آیت 90

[3] یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف کیوں دیکھا، اس دیکھنے سے ان کا مقصد کیا تھا؟۔

دوسرا یہ کہ کیا واقعاً وہ بیمار تھے کہ انھوں نے کہا میں بیمار ہوں؟ انھیں کیا بیماری تھی؟

پہلے سوال کا جواب بابل کے لوگوں کے اعتقادات اور رسوم وعادات کو دیکھتے ہوئے واضح وروشن ہے وہ علم نجوم میں بہت ماہر تھے۔یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ان کے بت بھی ستاروں کے ہیکلوں اور شکلوں میں تھے اور اسی بنا پر ان کا احترام کرتے تھے کہ وہ ستاروں کے سمبل تھے۔

البتہ علم نجوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ بہت سی خرافات بھی ان کے یہاں پائی جاتی تھیں منجملہ یہ کہ وہ ستاروں کو اپنی تقدیر میں مؤثر جانتے تھے اور ان سے خیر وبرکت طلب کرتے تھے اور ان کی وضع وکیفیت سے آنے والے واقعات پر استدلال کرتے تھے، ابراہیم نے اس غرض سے کہ انہیں مطمئن کر دیں، ان کی رسوم کے مطابق آسمان کے ستاروں پر ایک نظر ڈالی تا کہ وہ یہ تصور کریں کہ انھوں نے اپنی بیماری کی پیشن گوئی ستاروں کے اوضاع کے مطالعے سے کی ہے اور وہ مطمئن ہو جائیں۔

بعض بزرگ مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ستاروں کی حرکت سے اپنی بیماری کا وقت ٹھیک طور سے معلوم کر لیں کیونکہ ایک قسم کی بیماری انہیں تھی وہ یہ کہ بخار انہیں ایک خاص وقفہ کے ساتھ آتا تھا لیکن بابل کے لوگوں کے افکار ونظریات کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ان کا آسمان کی طرف دیکھنا درحقیقت اسرار آفرینش میں مطالعہ کے لئے تھا اگر چہ وہ آپ کی نگاہ کو ایک منجم کی نگاہ سمجھ رہے تھے جو یہ چاہتا ہے کہ ستاروں کے اوضاع سے آئندہ کے واقعات کی پیش بینی کرے۔

دوسرے سوال کے مفسرین نے متعدد جواب دیئے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ واقعاً بیمار تھے، اگر چہ وہ صحیح وسالم بھی ہوتے تب بھی جشن کے پروگرام میں ہرگز شرکت نہ کرتے، لیکن ان کی بیماری ان مراسم میں شرکت نہ کرنے اور بتوں کو توڑنے کے لئے ایک سنہری موقع اور اچھا بہانہ بھی تھا، اور اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ انھوں نے یہاں ''توریہ'' کیا تھا، کیونکہ انبیاء کے لئے ''توریہ'' کرنا مناسب نہیں ہے۔

سے کہا، بتوں سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے پیکروں پر سخت ضرب لگا ایسی ضرب جو بت پرستوں کے سوئے دماغوں کو ہلا کر رکھ دے اور انہیں بیدار کر دے۔

قرآن کہتا ہے: ''وہ ان کے خداؤں کے پاس آیا، ایک نگاہ ان پر اور کھانے کے ان برتنوں پر جو ان کے اطراف میں موجود تھے، ڈالی اور تمسخر کے طور پر کہا: تم یہ کھانے کھاتے کیوں نہیں''؟[1]

یہ کھانے تو تمہاری عبادت کرنے والوں نے فراہم کیے ہیں۔ مرغن وشیرین، طرح طرح کی رنگین غذائیں ہیں، کھاتے کیوں نہیں ہو؟

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بات کیوں نہیں کرتے؟ تم گونگے کیوں بن گئے ہو؟ تمہارا منہ کیوں بند ہے۔''[2]

اس طرح کے تمام بیہودہ اور گمراہ عقائد کا مذاق اڑایا بلاشک وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ ہی بات کرتے ہیں اور بے جان موجودات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بت شکنی کے اقدام کی دلیل اس عمدہ اور خوبصورت طریقہ سے پیش کریں۔

پھر انھوں نے اپنی آستین چڑھالی، کلہاڑا ہاتھ میں اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ اسے گھمایا اور بھرپور ''توجہ کے ساتھ ایک زبردست ضرب ان کے پیکر پر لگائی''۔[3]

بہرحال تھوڑی سی دیر میں وہ آباد اور خوبصورت بت خانہ ایک وحشت ناک ویرانہ ہو گیا۔ تمام بت ٹوٹ پھوٹ گئے ہر ایک ہاتھ پاؤں تڑوائے ہوئے ایک کونے میں پڑا تھا اور سچ مچ بت پرستوں کے لئے ایک دلخراش، افسوسناک اور غم انگیز منظر تھا۔ ابراہیم اپنا کام کر چکے اور پورے اطمینان وسکون کے ساتھ بتکدہ سے باہر آئے اور اپنے گھر چلے گئے اب وہ اپنے آپ کو آئندہ کے حوادث کے لئے تیار کر رہے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ انھوں نے شہر میں بلکہ پورے ملک بابل میں ایک بہت بڑا دھماکہ کیا ہے جس کی صدا بعد میں بلند ہوگی۔ غصہ اور غضب کا ایک ایسا طوفان اٹھے گا اور وہ اس طوفان میں اکیلے ہوں گے۔ لیکن ان کا خدا موجود ہے اور وہی ان کے لئے کافی ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نمرودیوں کی عدالت میں

آخر وہ عید کا دن ختم ہو گیا اور بت پرست خوشی مناتے ہوئے شہر کی طرف پلٹے اور سب بت خانے کی طرف گئے تاکہ بتوں سے اظہار عقیدت بھی کریں اور وہ کھانا بھی کھائیں کہ جو ان کے گمان کے مطابق بتوں کے پاس رکھے رہنے سے بابرکت ہو گیا تھا جو نہی وہ بت خانے کے اندر پہنچے تو ایک ایسا منظر دیکھا کہ ان کہ ہوش اڑ گئے آباد بت خانہ کے بجائے بتوں کا ایک ڈھیر تھا ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے پر گرے ہوئے تھے۔ ''وہ تو چیخنے چلانے لگے: ''یہ بلا اور مصیبت ہمارے خداؤں کے سر

---

[1] سورہ صافات آیت 91

[2] سورہ صافات آیت 92

[3] سورہ صافات آیت 93

پر کون لایا ہے''؟ ''یقیناً جو کوئی بھی تھا، ظالموں میں سے تھا''۔[1]

اس نے ہمارے خداؤں پر بھی ظلم کیا ہے، ہماری قوم اور معاشرے پر بھی، اور خود اپنے اوپر بھی کیونکہ اس نے اپنے اس عمل سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو بتوں کے بارے میں ابراہیم کی دھمکیوں سے آگاہ تھے اور ان جعلی خداؤں کے بارے میں ان کی اہانت آمیز باتوں کو جانتے تھے، کہنے لگے: ''ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا، اس کا نام ابراہیم علیہ السلام ہے۔''[2]

یہ ٹھیک ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت ابرہیم علیہ السلام اس وقت مکمل طور پر جوان تھے اور احتمال یہ ہے کہ ان کی عمر 16 سال سے زیادہ نہیں تھی اور یہ بھی درست ہے کہ جواں مردی کی تمام خصوصیات، شجاعت، شہامت، صراحت اور قاطعیت ان کے وجود میں جمع تھیں لیکن اس طرح سے بات کرنے سے بت پرستوں کی مراد یقیناً تحقیر کے علاوہ کچھ نہیں تھی، بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام کیا ہے، کہتے ہیں کہ ایک جوان ہے کہ جسے ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں، وہ اس طرح کہتا تھا یعنی ایک ایسا شخص کہ جو بالکل گمنام اور ان کی نظر میں بے حیثیت ہے۔

اصولاً معمول یہ ہے کہ جب کسی جگہ کوئی جرم ہوجائے تو اس شخص کو تلاش کرنے کے لئے کہ جس سے وہ جرم سرزد ہوا ہو ان سے دشمنی رکھنے والوں کو تلاش کیا جاتا ہے اور اس ماحول میں ابراہیم علیہ السلام کے سوا مسلماً کوئی شخص بتوں کے ساتھ دست و گریبان نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا تمام افکار انہیں کی طرف متوجہ ہوگئے اور بعض نے کہا: ''اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو جاؤ اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرو تا کہ وہ لوگ کہ جو پہچانتے ہیں اور خبر رکھتے ہیں گواہی دیں''۔[3]

منادی کرنے والوں نے شہر میں ہر طرف یہ منادی کی کہ جو شخص بھی ابراہیم علیہ السلام کی بتوں سے دشمنی اور ان کی بدگوئی کے بارے میں آگاہ ہے، حاضر ہوجائے، جلد ہی جو آگاہ تھے وہ لوگ بھی اور تمام دوسرے لوگ بھی جمع ہوگئے تا کہ دیکھیں کہ اس ملزم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ایک عجیب و غریب شور و غل لوگوں میں پڑا ہوا تھا، چونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ایک ایسا جرم جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا جس نے ان کے دینی ماحول میں ایک دھماکہ کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل

آخر کار عدالت لگی اور باز پرس ہوئی زعمائے قوم وہاں جمع ہوئے بعض کہتے ہیں کہ خود نمرود اس عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔

پہلا سوال جو انہوں نے ابراہیم سے کیا وہ یہ تھا: ''اے ابراہیم: کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔''[4]

وہ اس بات تک کے لئے تیار نہیں تھے کہ یہ کہیں کہ تو نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، بلکہ صرف یہ کہا کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟

---

[1] سورہ انبیاء آیت 59

[2] سورہ انبیاء آیت 60

[3] سورہ انبیاء آیت 61

[4] سورہ انبیاء آیت 62

ابراہیم علیہ السلام نے ایسا جواب دیا کہ وہ خود گھر گئے اور ایسے گھرے کہ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا ''ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے، ان سے پوچھو اگر یہ بات کرتے ہوں۔''[1]

جرائم کی تفتیش کے اصول یہ ہیں، کہ جس کے پاس آثار جرم ملے، وہ ملزم ہے (مشہور روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا تھا)۔

اصلاً، تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ تم اپنے بڑے خدا کو ملزم قرار کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ چھوٹے خداؤں پر غضبناک ہو گیا ہو یا اس نے انہیں اپنا آئندہ کا رقیب فرض کرتے ہوئے ان سب کا حساب ایک ہی ساتھ پاک کر دیا ہو؟

ابراہیم علیہ السلام نے قطعی طور پر اس عمل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا، لیکن تمام قرائن اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ اس بات سے کوئی پختہ اور مستقل قصد نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ اس سے یہ چاہتے تھے کہ بت پرستوں کے مسلمہ عقائد کو، جو کہ خرافاتی اور بے بنیاد تھے، ان کے منہ پر دے ماریں اور ان کا مذاق اڑائیں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ یہ بے جان پتھر اور لکڑیاں اس قدر حقیر ہیں کہ ایک جملہ تک بھی منہ سے نہیں نکال سکتیں، کہ اپنی عبادت کرنے والوں سے مدد طلب کر لیں، چہ جائیکہ وہ یہ چاہیں کہ ان کی مشکلات کو حل کر دیں۔

اس تعبیر کی نظیر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں بہت زیادہ ہے کہ مدمقابل کی بات کو باطل کرنے کے لئے اس کے مسلمات کو امر یا خبر یا استفہام کی صورت میں اس کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ وہ مغلوب ہو جائے اور یہ بات کسی طرح بھی جھوٹ نہیں ہوتی ''جھوٹ وہ ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ کوئی قرینہ نہ ہو''۔

اس روایت میں کہ جو کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے، یہ بیان ہوا ہے کہ: ''ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ ان کے افکار کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ ایسے کام بتوں سے نہیں ہو سکتے۔'' اس کے بعد امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: ''خدا کی قسم یہ کام بتوں نے نہیں کیا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بھی نہیں بولا۔''

زود گذر بیداری

ابراہیم علیہ السلام کی باتوں نے بت پرستوں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کے سوئے ہوئے وجدان کو بیدار کیا اور اس طوفان کی مانند کہ جو آگ کی چنگاریوں کے اوپر پڑی ہوئی بہت سی راکھ کو ہٹا دیتا ہے اور اس کی چمک کو آشکار کر دیتا ہے، ان کی فطرت توحیدی کو تعصب، جہالت اور غرور کے پردوں کے پیچھے سے آشکار و ظاہر کر دیا۔ زود گذر لمحے میں وہ موت کی سی ایک گہری نیند سے بیدار ہو گئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''وہ اپنے وجدان اور فطرت کی طرف پلٹے اور خود اپنے آپ سے کہنے لگے کہ حق بات یہ ہے کہ ظالم تو تم خود ہی ہو۔''[2]

تم نے تو خود اپنے اوپر بھی ظلم و ستم کیا ہے اور اس معاشرے کے اوپر بھی کہ جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اور نعمتوں کے بخشنے والے پروردگار کی ساحت مقدس میں بھی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں یہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ابراہیم پر ظالم ہونے کا اتہام لگایا تھا لیکن اب انہیں یہاں معلوم ہو گیا کہ اصلی اور حقیقی ظالم تو وہ خود ہیں۔

---

[1] سورہ انبیاء آیت 63

[2] سورہ انبیاء آیت 64

اور واقعاً ابراہیم علیہ السلام کا اصل مقصد بتوں کے توڑنے سے یہی تھا۔ مقصد تو بت پرستی کی فکر اور بت پرستی کی روح کو توڑنا تھا ورنہ بتوں کے توڑنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے، ہٹ دھرم بت پرست ان سے زیادہ اور ان سے بھی بڑے اور بنا لیتے اور ان کی جگہ پر رکھ دیتے جیسا کہ نادان، جاہل اور متعصب اقوام کی تاریخ میں اس مسئلے کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اس حد تک کامیاب ہوئے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کے ایک بہت ہی حساس اور ظریف مرحلہ کو ایک نفسیاتی طوفان پیدا کر کے طے کر لیا اور وہ تھا سوئے ہوئے وجدانوں کو بیدار کرنا۔

بت تو بولتے ہی نہیں

لیکن افسوس: کہ جہالت وتعصب اور اندھی تقلید کا زنگ اس سے کہیں زیادہ تھا کہ وہ توحید کے اس علمبردار کی صیقل بخش پکار سے کلی طور پر دور ہو جاتا ہے۔

افسوس کہ یہ روحانی اور مقدس بیداری زیادہ دیر تک نہ رہ سکی اور ان کے آلودہ اور تاریک ضمیر میں، جہالت اور شیطانی قوتوں کی طرف سے اس نور توحید کے خلاف قیام عمل میں آ گیا اور ہر چیز اپنی پہلی جگہ پر پلٹ آئی قرآن کتنی لطیف تعبیر پیش کر رہا ہے: ''اس کے بعد وہ اپنے سر کے بل الٹے ہو گئے۔''[1]

اور اس غرض سے کہ اپنے گونگے اور بے زبان خداؤں کی طرف سے کوئی عذر پیش کریں، انہوں نے کہا: ''تو تو جانتا ہے کہ یہ باتیں نہیں کرتے۔''[2]

یہ تو ہمیشہ چپ رہتے ہیں اور خاموشی کے رعب کو نہیں توڑتے۔

اور اس تراشے ہوئے عذر کے ساتھ انہوں نے یہ چاہا کہ بتوں کی کمزوری، بدحالی اور ذلت کو چھپائیں۔

یہ وہ مقام تھا کہ جہاں ابراہیم جیسے ہیرو کے سامنے منطقی استدلال کے لئے میدان کھل گیا تا کہ ان پر بھرپور حملے کریں اور ان کے ذہنوں کو ایسی سرزنش اور ملامت کریں کہ جو منطقی اور بیدار کرنے والی ہو، (ابراہیم نے) پکار کر کہا: ''کیا تم خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو کہ جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ضرر''۔[3]

یہ خیالی خدا کہ جو نہ بات کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، نہ شعور وادراک رکھتے ہیں، نہ خود اپنا دفاع کر سکتے ہیں، نہ بندوں کو اپنی حمایت کے لئے بلا سکتے ہیں، اصلاً ان سے کونسا کام ہو سکتا ہے اور یہ کس درد کی دوا ہیں؟ ایک معبود کی پرستش یا تو اس بناء پر ہوتی ہے کہ وہ عبودیت کے لائق ہے تو یہ بات بتوں کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی، یا کسی فائدہ کی امید میں ہوتی ہے اور یا ان سے کسی نقصان کے خوف سے، لیکن بتوں کے توڑنے کے میرے اقدام نے بتا دیا کہ یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کیا اس حال میں تمہارا یہ کام احمقانہ نہیں ہے؟

پھر یہ معلم توحید بات کو اس سے بھی بالاتر لے گیا اور سرزنش کے تازیانے ان کی بے درد روح پر لگائے اور کہا: ''تف ہے تم پر بھی اور تمہارے ان خداؤں پر بھی کہ جنہیں تم نے خدا کو چھوڑ کر اپنا رکھا ہے۔''

---

[1] سورہ انبیاء آیت 65

[2] سورہ انبیاء آیت 65

[3] سورہ انبیاء آیت 66

''کیا تم کچھ سوچتے نہیں ہو اور تمہارے سر میں عقل نہیں ہے۔''[1]

لیکن انہیں برا بھلا کہنے اور سرزنش کرنے میں نرمی اور ملائمت کو بھی نہیں چھوڑا کہ کہیں اور زیادہ ہٹ دھرمی نہ کرنے لگیں درحقیقت ابراہیمؑ نے بہت ہی جچے تلے انداز میں اپنا منصوبہ آگے بڑھایا پہلی مرتبہ انہیں توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے انہیں پکار کر کہا: یہ بے روح مجسمے کیا ہیں؟ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ تمہارے بڑوں کی سنت ہے تو تم بھی گمراہ ہو اور وہ بھی گمراہ تھے۔

دوسرے مرحلے میں ایک عملی اقدام کیا تا کہ یہ بات واضح کر دیں کہ یہ بت اس قسم کی کوئی قدرت نہیں رکھتے کہ جو شخص ان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو اس کو نابود کر دیں، خصوصیت کے ساتھ پہلے سے خبردار کر کے بتوں کی طرف گئے اور انہیں بالکل درہم وبرہم کر دیا تا کہ یہ بات واضح کریں کہ وہ خیالات وتصورات جو انہوں نے باندھے ہوئے ہیں سب کے سب فضول اور بے ہودہ ہیں۔

تیسرے مرحلے میں اس تاریخی عدالت میں انہیں بری طرح پھنسا کے رکھ دیا کبھی ان کی فطرت کو ابھارا، کبھی ان کی عقل کو جھنجھوڑا، کبھی پند ونصیحت کی اور کبھی سرزنش وملامت۔

خلاصہ یہ کہ اس عظیم خدائی معلم نے ہر ممکن راستہ اختیار کیا اور جو کچھ اس کے بس میں تھا اسے بروئے کار لایا لیکن تاثیر کے لئے ظرف میں قابلیت کا ہونا بھی مسلمہ شرط ہے۔ افسوس یہ اس قوم میں موجود نہیں تھی۔

لیکن بلاشبہ ابراہیمؑ کی باتیں اور کام، توحید کے بارے میں کم از کم استفہامی علامات کی صورت میں ان کے ذہنوں میں باقی رہ گئے اور یہ آئندہ کی وسیع بیداری اور آگاہی کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید بن گئے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ افراد اگرچہ وہ تعداد میں بہت کم تھے، لیکن قدر وقیمت کے لحاظ سے بہت تھے، ان پر ایمان لے آئے تھے اور نسبتاً کچھ آمادگی کا سامان دوسروں کے لئے بھی پیدا ہو گیا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے

اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کے عملی ومنطقی استدلالات کے ذریعے سب کے سب بت پرست مغلوب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے دل میں اس شکست کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

لیکن تعصب اور شدید ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئی لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے ابراہیم کے بارے میں بہت ہی سخت اور خطرناک قسم کا ارادہ کر لیا اور وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کو بدترین صورت میں قتل کرنا چاہتے تھے انہوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں جلا کر راکھ کر دیا جائے۔

عام طور پر طاقت اور منطق کے درمیان معکوسی رابطہ ہوتا ہے، جس قدر انسان میں طاقت اور قدرت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اتنی ہی اس کی منطق کمزور ہوتی جاتی ہے سوائے مردان حق کے کہ وہ جتنا زیادہ قوی اور طاقتور ہوتے ہیں، اتنا ہی زیادہ متواضع اور منطقی ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ طاقت کی زبان سے بات کرتے ہیں جب وہ منطق کے ذریعے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں تو فوراً اپنی طاقت وقدرت کا

---

[1] سورہ انبیاء آیت 67

سہارا لے لیتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ٹھیک یہی طرز عمل اختیار کیا گیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''ان لوگوں نے (چیخ کر) کہا: اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم سے کوئی کام ہوسکتا ہے۔''[1]

طاقتور صاحبان اقتدار بے خبر عوام کو مشتعل کرنے کے لئے عام طور پر ان کی نفسیاتی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ وہ نفسیات کو پہچانتے ہیں اور اپنا کام کرنا خوب جانتے ہیں۔

جیسا کہ انہوں نے اس قصہ میں کیا اور ایسے نعرے لگائے اور ان کی غیرت کو للکارا: یہ تمہارے خدا ہیں، تمہارے مقدسات خطرے میں پڑ گئے ہیں، تمہارے بزرگوں کی سنت کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا ہے، تمہاری غیرت وحمیت کہاں چلی گئی؟ تم اس قدر ضعیف حال کیوں ہو گئے ہو؟ اپنے خداؤں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ابراہیم کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر کچھ کام تم سے ہوسکتا ہے اور بدن میں توانائی اور جان ہے، دیکھو: سب لوگ اپنے مقدسات کا دفاع کرتے ہیں، تمہارا تو سب کچھ خطرے میں پڑ گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس قسم کی بہت سی فضول اور مہمل باتیں کیں اور لوگوں کو ابراہیم کے خلاف بھڑکایا اس طرح سے کہ لکڑیوں کے چند گٹھوں کی بجائے کہ جو کئی افراد کے جلانے کے لئے کافی ہوتے ہیں، لکڑیوں کے ہزارہا گٹھے ایک دوسرے پر رکھ کر لکڑیوں کا ایک پہاڑ بنا دیا اور اس کے بعد آگ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تا کہ اس عمل کے ذریعہ سے اپنا انتقام بھی اچھی طرح سے لے سکیں اور بتوں کا وہ خیالی رعب ودبدبہ اور عظمت بھی، جس کو ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے سخت نقصان پہنچا تھا، کسی حد تک بحال ہو سکے۔

تاریخ دانوں نے اس مقام پر بہت سے مطالب تحریر کیے ہیں کہ جن میں سے کوئی بھی بعید نظر نہیں آتا۔

فرشتوں کی فریاد

سب لوگ چالیس دن تک لکڑیاں جمع کرنے میں لگے رہے اور ہر طرف سے بہت سی خشک لکڑیاں لا لا کر جمع کرتے رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ عورتیں تک بھی کہ جن کا کام گھر میں بیٹھ کر چرخا کاتنا تھا، وہ اس کی آمدنی سے لکڑیوں کا گٹھا لے کر اس میں ڈلواتی تھیں اور وہ لوگ کہ جو قریب مرگ ہوتے تھے، اپنے مال میں سے لکڑیاں خریدنے کی وصیت کرتے تھے اور حاجت مند اپنی حاجتوں کے پورے ہونے کے لئے یہ منت مانتے تھے کہ اگر ان کی حاجت پوری ہوگئی، تو اتنی مقدار لکڑیوں کا اضافہ کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ جب ان لکڑیوں میں مختلف اطراف سے آگ لگائی گئی تو اس کے شعلے اتنے بلند ہو گئے تھے کہ پرندے اس علاقے کے اوپر سے نہیں گزر سکتے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کی آگ کے تو قریب بھی نہیں جایا جا سکتا چہ جائیکہ ابراہیم علیہ السلام کو لے جا کر اس میں پھینکیں مجبوراً منجنیق سے کام لیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اندر بٹھا کر بڑی تیزی کے ساتھ آگ کے اس دریا میں پھینک دیا گیا

ان روایات میں کہ جو شیعہ اور سنی فرقوں کی طرف سے نقل ہوئی ہیں، یہ بیان ہوا ہے کہ: ''جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے اوپر بٹھایا گیا اور انہیں آگ میں پھینکا جانے لگا تو آسمان، زمین اور فرشتوں نے فریاد بلند کی اور بارگاہ خداوندی میں

---

[1] سورہ انبیاء آیت 68

درخواست کی کہ توحید کے اس علمبردار اور حریت پسندوں کے لیڈر کو بچالے۔''

اس وقت جبرائیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں تمہاری مدد کروں؟

ابراہیم علیہ السلام نے مختصر سا جواب دیا: تجھ سے حاجت؟ نہیں، نہیں، (میں تو اسی ذات سے حاجت رکھتا ہوں کہ جو سب سے بے نیاز اور سب پر مہربان ہے)

تو اس موقع پر جبرائیل نے کہا: تو پھر تم اپنی حاجت خدا سے طلب کرو۔

انہوں نے جواب میں کہا: ''میرے لئے یہی کافی ہے کہ وہ میری حالت سے آگاہ ہے''۔

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے اس طرح راز و نیاز کیا:

"یا احد یا احد یا صمد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا أحد توکلت علی الله۔"

اے اکیلے، اے اکیلے اے بے نیاز اے بے نیاز اے وہ کہ جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ جو جنا گیا اور جس کا کوئی ہم پلہ نہیں: میں اللہ پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں۔

آگ گلزار ہوگئی

بہرحال لوگوں کے شور وغل اور جوش وخروش کے اس عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے شعلوں کے اندر پھینک دیئے گئے لوگوں نے خوشی سے اس طرح نعرے لگائے گویا بتوں کو توڑنے والا ہمیشہ کے لئے نابود اور خاکستر ہوگیا۔

لیکن وہ خدا کہ جس کے فرمان کے سامنے تمام چیزیں سرخم کیے ہوئے ہیں۔ جلانے کی صلاحیت اسی نے آگ میں رکھی ہے اور ماؤں کے دل میں محبت بھی اسی نے ڈالی ہے اس نے ارادہ کرلیا کہ یہ خالص بندۂ مومن آگ کے اس دریا میں صحیح وسالم رہے تاکہ اس کے افتخار اور اعزاز کی سندوں میں ایک اور سند کا اضافہ ہوجائے۔

جیسا کہ قرآن اس مقام پر کہتا ہے: ''ہم نے آگ سے کہا: اے آگ: ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجا''[1]

مشہور ہے کہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہوگئی کہ ابراہیم کے دانت ٹھنڈک کی شدت سے بجنے لگے اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق تو اگر ''سلاماً'' کی تعبیر ساتھ نہ ہوتی تو آگ اس قدر سرد ہوجاتی کہ ابراہیمؑ کی جان سردی سے خطرے میں پڑ جاتی۔ مشہور روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ نمرود کی آگ خوبصورت گلستان میں تبدیل ہوگئی۔ یہاں تک کہ بعض نے تو کہا ہے کہ جس دن ابراہیمؑ آگ میں رہے، ان کی زندگی کے دنوں میں سب سے بہترین راحت وآرام کا دن تھا؟[2]

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابراہیمؑ کے آگ میں صحیح وسالم رہ جانے سے صورت حال بالکل بدل گئی خوشی اور مسرت کا شور وغل ختم ہوگیا، تعجب سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کچھ لوگ ایک دوسرے کے کان میں رونما ہونے والی اس عجیب چیز کے بارے میں باتیں کررہے تھے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے خدا کی عظمت کا ورد زبانوں پر جاری ہوگیا نمرود کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا لیکن پھر بھی

---

[1] سورہ انبیاء آیت 69

[2] آگ نے حضرت ابراہیم کو کیوں نہ جلایا؟ مفسیرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن اجمالاً بات یہ ہے کہ بینش توحیدی کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی سبب سے بھی خدا کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا ایک دن وہ ابراہیم کے ہاتھ میں موجود چھری سے کہتا ہے: نہ کاٹ اور دوسرے دن آگ سے کہتا: نہ جلا اور ایک دن پانی کو جو سبب حیات ہے حکم دیتا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کو غرق کردے۔

تعصب اور ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں پوری طرح حائل ہوگئی اگر چہ کچھ بیدار دل اس واقعہ سے بہرہ ور بھی ہوئے اور ابراہیم کے خدا کے بارے میں ان کے ایمان میں زیادتی اور اضافہ ہوا، مگر یہ لوگ اقلیت میں تھے۔

بہادر نوجوان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی اور بعض نے اس وقت ان کا سن 26 سال کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال وہ جوانی کی عمر میں تھے اور باوجود اس کے کہ ظاہری طور پر ان کا کوئی یار و مددگار نہیں تھا، اپنے زمانے کے اس عظیم طاغوت کے ساتھ پنجہ آزمائی کی کہ جو دوسرے طاغوتوں کا سرپرست تھا، آپ تن تنہا جہالت، خرافات اور شرک کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ماحول کے تمام خیالی مقدسات کا مذاق اڑایا اور لوگوں کے غصے اور انتقام سے ذرا بھی نہ گھبرائے کیونکہ ان کا دل عشق خدا سے معمور تھا اور ان کا اس پاک ذات پر ہی توکل اور بھروسہ تھا۔

ہاں: ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ یہ جہاں پیدا ہو جاتا ہے وہاں جرأت و شجاعت پیدا کر دیتا ہے اور جس میں یہ موجود ہو، اسے شکست نہیں ہو سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا، نمرود کو یقین ہو گیا تھا کہ ابراہیم مٹی بھر خاک میں تبدیل ہو گئے ہیں لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے

کہنے لگا مجھے تو ابراہیم زندہ دکھائی دے رہا ہے شاید مجھے اشتباہ ہو رہا ہے وہ ایک بلند مقام پر چڑھ گیا اور خوب غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ معاملہ تو اسی طرح ہے۔

نمرود نے پکار کر کہا: اے ابراہیم علیہ السلام: واقعاً تیرا خدا عظیم ہے اور اس قدر قدرت رکھتا ہے کہ اس نے تیرے اور آگ کے درمیان ایک رکاوٹ پیدا کر دی اب جبکہ یہ بات ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس کی قدرت اور عظمت کی وجہ سے اس کے لئے قربانی کروں (اور اس نے چار ہزار قربانیاں اس مقصد کے لئے تیار کیں) لیکن ابراہیم نے اس سے کہا: تجھ سے کسی قسم کی قربانی اور کار خیر قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ تو پہلے ایمان لے آئے۔

نمرود نے جواب میں کہا: ''اس صورت میں تو میری حکومت ختم ہو جائے گی اور میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا۔''

بہر حال یہی حادثات اس بات کا سبب بن گئے کہ کچھ آگاہ اور بیدار دل لوگ ابراہیم کے خدا پر ایمان لے آئے یا ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا (اور شاید یہی واقعہ اس بات کا سبب بنا کہ نمرود ابراہیم کے مقابلہ میں کسی سخت ردعمل کا اظہار نہ کرے اور صرف ان کو سرزمین بابل سے جلاوطن کرنے پر قناعت کرے۔)

نمرود سے گفتگو

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدمقابل اس اجتماع میں کون تھا اور کون آپؑ سے حجت بازی کر رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں اس کے نام کی صراحت نہیں ہے لیکن فرمایا گیا ہے:

اس غرور و تکبر کے باعث جو اس میں نشہ حکومت کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام سے حجت بازی کرنے لگا۔ لیکن

حضرت علی علیہ السلام سے منقول درمنثور کی ایک حدیث میں اور اسی طرح تواریخ میں اس کا نام ''نمرود بن کنعان'' بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر اس مباحثے کا وقت نہیں بتایا گیا۔ لیکن قرائن سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی اور آگ کی بھٹی سے نجات کے بعد کا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ آگ میں ڈالے جانے سے قبل اس گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اور اصولی طور پر بت پرست آپ کو ایسے مباحثے کا حق نہ دے سکتے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا مجرم اور گنہ گار سمجھتے تھے جسے ضروری تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے اپنے اعمال اور خدایان مقدس کے خلاف قیام کی سزا ملے۔ وہ تو انہوں نے بت شکنی کے اقدام کا صرف سبب پوچھا تھا اور اس کے بعد انتہائی غصے اور سختی سے انہیں آگ میں جلانے کا حکم صادر ہوا تھا لیکن جب آپؑ حیرت انگیز طریقے سے آگ سے نجات پا گئے تو پھر اصطلاحی الفاظ میں ''نمرود کے حضور رسائی ہوئی'' اور پھر بحث و مباحثے کے لیے بیٹھ سکے۔ بہرحال نمرود اپنی حکومت کی وجہ سے بادہ غرور سے سرمست تھا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے لگا تیرا خدا کون ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''وہی جو زندہ کرتا اور مارتا ہے''، حقیقت میں آپؑ نے عظیم ترین شاہکار قدرت کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ مبداء جہان ہستی کے علم و قدرت کی واضح نشانی یہی قانون موت و حیات ہے لیکن اس نے مکر و فریب کی راہ اختیار کی اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگوں اور اپنے حمایتیوں کو غافل رکھنے کے لئے کہا وہ تو میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں اور موت و حیات کا قانون میرے ہاتھ میں ہے۔ قرآن میں اس کے جملے کے بعد واضح نہیں ہے کہ اس نے اپنے پیدا کئے گئے مغالطے کی تائید کے لئے کس طرح عملی اقدام کیا لیکن احادیث و تواریخ میں آیا ہے کہ اس نے فوراً دو قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ قیدی لائے گئے تو اس نے فرمان جاری کیا کہ ایک کو آزاد کر دو اور دوسرے کو قتل کر دو۔ پھر کہنے لگا: تم نے دیکھا کہ موت و حیات کس طرح میرے قبضے میں ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت و حیات سے متعلق دلیل ہر لحاظ سے قوی تھی لیکن دشمن سادہ لوح لوگوں کو جھل دے سکتا تھا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا استدلال پیش فرمایا کہ خدا آفتاب کو افق مشرق سے نکالتا ہے اگر جہاں ہستی کی حکومت تیرے ہاتھ میں ہے تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہاں دشمن خاموش، مبہوت اور عاجز ہو گیا۔ اس میں سکت نہ رہی کہ اس زندہ منطق کے بارے میں کوئی بات کر سکے۔ ایسے ہٹ دھرم دشمنوں کو لاجواب کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ یہ مسلم ہے کہ موت و حیات کا مسئلہ کئی جہات سے آسمان اور گردش شمس و قمری کی نسبت پروردگار عالم کے علم و قدرت پر زیادہ گواہی دیتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے وہی مسئلہ پیش کیا اور یہ فطری امر ہے کہ اگر صاحب فکر اور روشن ضمیر افراد اس مجلس میں ہوں گے تو وہ اسی دلیل سے مطمئن ہو گئے ہوں گے کیونکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک قیدی کو آزاد کرنا اور دوسرے کو قتل کر دینا یہ طبیعی اور حقیقی موت و حیات سے بالکل ربط نہیں رکھتا، لیکن جو لوگ کم عقل تھے اور اس دور کے ظالم حکمران کے پیدا کردہ مغالطے سے متاثر ہو سکتے تھے ان کی فکر راہ حق سے منحرف ہو سکتی تھی لہٰذا آپؑ نے دوسرا استدلال پیش کیا اور سورج کے طلوع و غروب کا مسئلہ پیش کیا تا کہ حق ہر دو طرح کے افراد کے سامنے واضح ہو جائے۔ اس بات کی طرف توجہ کرنا مناسب ہے کہ قرآنی گفتگو سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ وہ ظالم اپنے بارے میں الوہیت کا مدعی تھا، یہی نہیں کہ وہ اپنی پرستش کرواتا تھا بلکہ اپنے آپ کو عالم ہستی کا پیدا کرنے والا بھی بتاتا تھا، یعنی اپنے آپ کو ''معبود'' بھی سمجھتا تھا اور ''خالق'' بھی۔

بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ اور اس خطرناک مرحلہ سے ان کی معجزانہ نجات نے نمرود کے ارکان

حکومت کولرزہ براندام کر دیا،نمرود تو بالکل حواس باختہ ہوگیا کیونکہ اب وہ ابراہیمؑ کوایک فتنہ کھڑا کرنے والا اور نفاق ڈالنے والا جوان نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ابراہیم اب ایک خدائی رہبر اور بہادر رہبر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا اس نے دیکھا کہ ابراہیمؑ اس کے تمام تر طاقت ووسائل کے باوجود اس کے خلاف جنگ کی ہمت رکھتا ہے اس نے سوچا کہ اگر ابراہیم ان حالات میں اس شہر اور اس ملک میں رہا تو اپنی باتوں،قوی منطق اور بے نظیر شجاعت کے ساتھ،مسلمہ طور پر اس جابر،خودسر اور خودغرض حکومت کے لئے ایک خطرے کا مرکز بن سکتا ہے لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ ابراہیمؑ کو ہر حالت میں اس سرزمین سے چلا جانا چاہئے۔

دوسری طرف ابراہیمؑ حقیقت میں اپنی رسالت کا کام اس سرزمین میں انجام دے چکے تھے وہ حکومت کی بنیادوں پر یکے بعد دیگرے چکنا چور کرنے والی ضربیں لگا چکے تھے اس سرزمین میں ایمان وآگاہی کا بیج بو چکے تھے اب صرف ایک مدت کی ضرورت تھی کہ جس سے یہ بیج آہستہ آہستہ بارآور ہو اور بت پرستی کی بساط الٹ جائے۔

اب ان کے لئے بھی مفید یہی تھا کہ یہاں سے کسی دوسری سرزمین کی طرف چلے جائیں اور اپنی رسالت کے کام کو وہاں بھی عملی شکل دیں لہٰذا انہوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ لوط (جو آپ کے بھتیجے تھے) اور اپنی بیوی سارہ اور احتمالاً مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر اس سرزمین سے شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے:''ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف نجات دی کہ جسے ہم نے سارے جہان والوں کے لئے برکتوں والا بنایا تھا۔''[1]

اگرچہ قرآن میں اس سرزمین کا نام صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے لیکن سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت (''سبحان الذی''۔ ''بارکنا حولہ''۔) پر توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہی شام کی سرزمین ہے جو ظاہری اعتبار سے بھی پر برکت،زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے اور معنوی لحاظ سے بھی،کیونکہ وہ انبیاء کی پرورش کا مرکز تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ ہجرت خود اپنے آپ کی تھی یا نمرود کی حکومت نے انہیں جلاوطن کیا یا یہ دونوں ہی صورتیں واقع ہوئیں، اس بارے میں تفاسیر وروایات میں مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا مجموعی مفہوم یہی ہے کہ ایک طرف تو نمرود اور اس کے ارکان حکومت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے،لہٰذا انھوں نے انہیں اس سرزمین سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور دوسری طرف ابرہیم علیہ السلام بھی اس سرزمین میں اپنی رسالت کا کام تقریباً مکمل کر چکے تھے اور اب کسی دوسرے علاقے میں جانے کے خواہاں تھے کہ دعوت توحید کو وہاں بھی پھیلائیں خصوصاً بابل میں باقی رہنے سے ممکن تھا کہ آپ کی جان چلی جاتی اور آپ کی عالمی دعوت نامکمل رہ جاتی۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں یہ بیان ہوا کہ جس وقت نمرود نے یہ ارادہ کیا کہ ابراہیمؑ کو اس سرزمین سے جلاوطن کر دے تو اس نے یہ حکم دیا کہ ابراہیمؑ کی بھیڑیں اور ان کا سارا مال ضبط کرلیا جائے اور وہ اکیلا ہی یہاں سے باہر جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے اگر تم میرا مال لینا چاہتے ہو تو میری اس عمر کو جو میں نے اس سرزمین میں گزاری ہے مجھے واپس دے دو لہٰذا طے یہ پایا کہ حکومت کے قاضیوں میں سے ایک اس بارے میں فیصلہ دے،قاضی نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مال لے لیا جائے اور جو عمر انہوں نے اس سرزمین میں خرچ کی ہے وہ انہیں واپس کر دی جائے۔

---

[1] سورہ انبیاء آیت 71

جس وقت نمرود اس واقعے سے آگاہ ہوا تو اس نے بہادر قاضی کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کا مال اور اس کی بھیڑیں اسے واپس کر دی جائیں تا کہ وہ انہیں ساتھ لے جائے اور کہا: ''مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ یہاں رہ گیا تو وہ تمہارے دین و آئین کو خراب کر دے گا اور تمہارے خداؤں کو نقصان پہنچائے گا''۔

کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا؟

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام دریا کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دریا کے کنارے ایک مردار پڑا ہوا دیکھا، اس کا کچھ حصہ دریا کے اندر اور کچھ باہر تھا دریا اور خشکی کے جانور دونوں طرف سے اسے کھا رہے تھے بلکہ کھاتے کھاتے ایک دوسرے سے لڑنے لگتے تھے، اس منظر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے مسئلہ کی فکر میں ڈال دیا جس کی کیفیت سب تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں اور وہ ہے موت کے بعد مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت ابراہیم علیہ السلام سوچنے لگے کہ اگر ایسا ہی انسانی جسم کے ساتھ ہوا اور انسان کا بدن جانوروں کے بدن کا جزء بن جائے تو قیامت میں اٹھنے کا معاملہ کیسے عمل میں آئے گا جب کہ وہاں انسان کو اسی بدن کے ساتھ اٹھنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: خدایا مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں دل کو تسلی ہو جائے۔

خدا متعال نے حکم دیا: چار پرندے لے لو اور ان کا گوشت ایک دوسرے سے ملا دو پھر اس سارے گوشت کے کئی حصے کر دو اور ہر حصہ کو ایک پہاڑ پر رکھ دو اس کے بعد ان پرندوں کو پکارو تا کہ میدان حشر کا منظر دیکھ سکو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو انتہائی حیرت کے ساتھ دیکھا کہ پرندوں کے اجزاء مختلف مقامات سے جمع ہو کر ان کے پاس آ گئے ہیں اور ان کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

''اس وقت (کو یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: خدایا: مجھے دکھا دے تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا: کیا تم ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے: کیوں نہیں، میں چاہتا ہوں میرے دل کو اطمینان ہو جائے فرمایا: یہ بات ہے تو چار پرندے انتخاب کر لو (ذبح کرنے کے بعد) انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر لو (پھر ان کے گوشت کو آپس میں ملا دو) پھر ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دو، پھر انہیں پکارو، وہ تیزی سے تمہارے پاس آئیں گے، اور جان لو کہ خدا غالب اور حکیم ہے''۔[1] (وہ مردوں کے اجزائے بدن کو بھی جانتا ہے اور انہیں جمع کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔)

چند اہم نکات

1۔ چار پرندے: اس میں شک نہیں کہ مذکورہ چار پرندے مختلف قسم کے پرندوں میں سے تھے کیونکہ اس کے بغیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ہر ایک کے اجزاء اس کے اصلی بدن میں واپس آئیں اور یہ مختلف قسم کے ہونے کی صورت میں ہی ظاہر ہو سکتا تھا۔ مشہور روایت کے مطابق وہ چار پرندے اس طرح تھے مور، مرغ، کبوتر اور کوا جو کہ کئی پہلوؤں سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

بعض ان پرندوں کو انسانوں کی مختلف صفات اور جذبات کا مظہر سمجھتے ہیں۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت 259

مور: خودنمائی، زیبائش اور تکبر کا مظہر ہے۔
مرغ: شدید جنسی میلانات کا مظہر ہے۔
کبوتر: لہوولعب اور کھیل کود کا مظہر ہے۔
کوا: لمبی چوڑی آرزوں اور تمناؤں کا مظہر ہے۔

2۔ پہاڑوں کی تعداد: جن پہاڑوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے اجزاء رکھے تھے ان کی تعداد کی صراحت قرآن حکیم میں نہیں ہے لیکن روایات اہل بیت علیہم السلام میں یہ تعداد دس بتائی گئی ہے۔[1]

3۔ واقعہ کب رونما ہوا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں تھے یا جب شام چلے آئے تھے، یوں لگتا ہے، یہ شام میں آنے کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ سرزمین بابل میں پہاڑ نہیں ہیں۔

اسماعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کو منتقل کرنے کا حکم

سالہا سال گذر گئے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اس صالح فرزند کے انتظار اور خواہش میں زندگی بسر کرتے رہے، انھوں نے عرض کیا: ''پروردگارا: مجھے ایک فرزند صالح عطا فرما''[2]

آخر کار خدا نے ان کی دعا قبول کرلی، پہلے انھیں اسماعیل علیہ السلام اور پھر اسحاق علیہ السلام مرحمت فرمائے کہ جن میں سے ہر ایک بزرگ پیغمبر اور صاحب منزلت تھے۔

آپ نے اپنی کنیز ہاجرہ کو اپنی بیوی بنالیا تھا۔ اس سے انہیں اسمٰعیلؑ جیسا بیٹا نصیب ہوا آپ کی پہلی بیوی سارہ نے ان سے حسد کیا یہی حسد سبب بنا کہ آپ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے کو حکم خدا سے فلسطین سے لے کر مکہ کی جلتی ہوئی سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین میں لے گئے یہ وہ علاقہ تھا جہاں پانی کی ایک بوند بھی دستیاب نہ تھی آپؑ حکم خدا سے ایک عظیم امتحان سے گزرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ کر واپس فلسطین آ گئے۔

وہاں چشمہ زمزم پیدا ہوا اس اثناء میں جرہم قبیلہ ادھر سے گزرا اس نے جناب ہاجرہؑ سے وہاں قیام کی اجازت چاہی۔۔ گویا واقعات کا ایک طولانی سلسلہ ہے کہ جو اس علاقے کی آبادی کا باعث بنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس جگہ کو آباد اور پر برکت شہر بنادے اور لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف مائل کردے ان کی اولاد وہاں پھلنے پھولنے لگی تھی۔[3]

یہ بات جاذب نظر ہے کہ بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہؑ اور شیر خوار اسماعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس جانا چاہتے تھے تو جناب ہاجرہؑ نے فریاد کی: اے ابراہیم علیہ السلام آپ کو کس نے حکم دیا ہے کہ ہمیں ایسی جگہ پر چھوڑ جائیں کہ جہاں نہ کوئی سبزہ ہے، نہ دودھ دینے والا کوئی جانور، یہاں تک کہ یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں ہے آپ پھر بھی ہمیں بغیر زادوتوشہ اور مونس ومددگار کے چھوڑے جارہے ہیں۔

---

[1] اسی لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال کا ایک جزء فلاں سلسلے میں صرف کرنا اور اس کی مقدار معین نہ کر جائے تو مال کا دسواں حصہ دینا کافی ہے۔

[2] سورہ ابراہیم آیت 37 تا 41

[3] سورہ صافات آیت 100

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختصر سا جواب دیا: میرے پروردگار نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

ہاجرہؑ نے یہ سنا تو کہنے لگیں: اگر ایسا ہے تو پھر خدا ہرگز ہمیں یونہی نہیں چھوڑے گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے حکم خدا کی اطاعت کی اور انہیں سرزمین مکہ میں لے گئے جو ایسی خشک اور بے آب و گیاہ تھی کہ وہاں کسی پرندے کا بھی نام ونشان نہ تھا جب ابراہیمؑ انہیں چھوڑ کر تنہا واپس ہو لئے تو ان کی اہلیہ رونے لگیں کہ ایک عورت اور ایک شیر خوار بچہ اس بے آب و گیاہ بیابان میں کیا کریں گے۔

اس خاتون کے گرم آنسو اور ادھر بچے کا نالہ و گریہ زاری اس منظر نے ابراہیم علیہ السلام کا دل ہلا کے رکھ دیا۔

انہوں نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا:

خداوندا: میں تیرے حکم پر اپنی بیوی اور بچے کو اس جلا دینے والے بے آب و گیاہ بیابان میں تنہا چھوڑ رہا ہوں، تا کہ تیرا نام بلند اور تیرا گھر آباد ہو۔

یہ کہہ کر غم واندوہ اور شدید محبت کے عالم میں الوداع ہوئے۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ماں کے پاس آب وغذا کا جو توشہ تھا ختم ہو گیا اور اس کی چھاتی کا دودھ بھی خشک ہو گیا شیر خوار بچے کی بے تابی اور تضرع وزاری نے ماں کو ایسا مضطرب کر دیا کہ وہ اپنی پیاس بھول گئی وہ پانی کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئی، پہلے کوہ صفا کے قریب گئی تو پانی کا کوئی نام ونشان نظر نہ آیا، سراب کی چمک نے اسے کوہ مروہ کی طرف کھینچا تو وہ اس کی طرف دوڑی لیکن وہاں بھی پانی نہ ملا، وہاں ویسی چمک صفا پر دکھائی دی تو پلٹ کر آئی، زندگی کی بقاء اور موت سے مقابلہ کے لئے اس نے سات چکر لگائے، آخر شیر خوار بچہ زندگی کی آخری سانسیں لینے لگا کہ اچانک اس کے پاؤں کے پاس انتہائی تعجب خیز طریقہ سے زمزم کا چشمہ ابلنے لگا، ماں اور بچے نے پانی پیا اور موت جو یقینی ہو گئی تھی اس سے بچ نکلے۔

زمزم کا پانی گویا آب حیات تھا، ہر طرف سے پرندے اس چشمہ کی طرف آنے لگے، قافلوں نے پرندوں کی پرواز دیکھی تو اپنے رُخ کو اس طرف موڑ دیا اور ظاہراً ایک چھوٹے سے خاندان کی فداکاری کے صلے میں ایک عظیم مرکز وجود میں آ گیا۔

آج خانہ خدا کے پاس اس خاتون اور اس کے فرزند اسماعیل علیہ السلام کا مسکن ہے، ہر سال تقریباً 20 لاکھ افراد اطراف عالم سے آتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اس مسکن کو جسے مقام اسماعیل کہتے ہیں اپنے طواف میں شامل کریں گویا اس خاتون اور اس کے بیٹے کے مدفن کو طواف کعبہ کا یا حج کا جزء سمجھیں۔

اسماعیل علیہ السلام قربان گاہ میں

اسماعیلؑ کا سن 13 سال کا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک عجیب اور حیرت انگیز خواب دیکھا، یہ خواب اس عظیم الشان پیغمبر کے لئے ایک اور آزمائش کو بیان کرتا تھا۔ انھوں نے خواب دیکھا کہ انہیں خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قربانی کریں اور اسے ذبح کر دیں۔

ابراہیم علیہ السلام وحشت زدہ خواب سے بیدار ہوئے، وہ جانتے تھے کہ پیغمبروں کے خواب حقیقت اور شیطانی وسوسوں سے دور ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود دو راتوں میں بھی یہی خواب دیکھا جو اس امر کے لازم ہونے اور اسے جلد انجام دینے کے لئے تاکید تھی۔

کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ ''شب ترویہ'' (آٹھ ذی الحجہ کی رات) یہ خواب دیکھا اور ''عرفہ'' اور ''عید قربان'' (نویں اور دسویں ذی الحجہ) کی راتوں میں خواب کا تکرار ہوا۔ لہٰذا اب ان کے لئے ذرا سا بھی شک باقی نہ رہا کہ یہ خدا کا قطعی فرمان ہے۔

ابراہیم علیہ السلام جو بارہا امتحان خداوندی کی گرم بھٹی سے سرفراز ہو کر باہر آ چکے تھے، اس دفعہ بھی چاہئے کہ بحر عشق میں کود پڑیں اور خداوند عالم کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیں، اور اس فرزند کو جس کے انتظار میں عمر کا ایک حصہ گذار دیا تھا اور اب وہ ایک آبرومند نوجوان تھا، اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیں۔

لیکن ضروری ہے کہ ہر چیز سے پہلے اپنے فرزند کو اس کام کے لئے آمادہ کریں، لہٰذا اس کی طرف رخ کر کے فرمایا: ''میرے بیٹے: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تم دیکھو: تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے''؟[1]

بیٹا بھی تو ایثار پیشہ باپ کے وجود کا ایک حصہ تھا اور جس نے صبر و استقامت اور ایمان کا درس اپنی چھوٹی سی عمر میں اسی کے مکتب میں پڑھا تھا، اس نے خوشی خوشی خلوص دل کے ساتھ اس فرمان الٰہی کا استقبال کیا اور صراحت اور قاطعیت کے ساتھ کہا: ''ابا جان: جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے''۔[2]

میری طرف سے بالکل مطمئن رہئے۔ ''انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے''۔[3]

باپ اور بیٹے کی یہ باتیں کس قدر معنی خیز ہیں اور کتنی باریکیاں ان میں چھپی ہوئی ہیں۔

ایک طرف تو باپ، 13 سالہ بیٹے کے سامنے اسے ذبح کرنے کی بات بڑی صراحت کے ساتھ کرتا ہے اور اس سے اس کی رائے معلوم کرتا ہے اس کے لئے مستقل شخصیت اور ارادے کی آزادی کا قائل ہوتا ہے، وہ ہرگز اپنے بیٹے کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا اور اسے اندھیرے میں رکھتے ہوئے امتحان کے اس عظیم میدان میں آنے کی دعوت نہیں دیتا وہ چاہتا ہے کہ بیٹا بھی اس عظیم امتحان میں پورے خلوص دل کے ساتھ شرکت کرے اور باپ کی طرح تسلیم و رضا کا مزہ چکھے۔

دوسری طرف بیٹا بھی یہ چاہتا ہے کہ باپ اپنے عزم و ارادہ میں پکا اور مضبوط رہے، یہ نہیں کہتا کہ مجھے ذبح کریں بلکہ کہتا ہے: جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے بجا لائیں میں اس کے امر و فرمان کے سامنے سر تسلیم خم ہوں، خصوصاً باپ کو ''یا ابت'' (ابا جان:) کہہ کر مخاطب کرتا ہے، تاکہ اس بات کی نشاندہی کر دے کہ اس مسئلے پر جذبات فرزند و پدر کا سوئی کی نوک کے برابر بھی اثر نہیں، کیونکہ فرمان خدا ہر چیز پر حاکم ہے۔

اور تیسری طرف سے پروردگار کی بارگاہ میں مراتب آداب کی اعلیٰ ترین طریقے سے پاسداری کرتا ہے، ہرگز اپنے ایمان اور عزم و ارادہ کی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ پر تکیہ کرتا ہے اور اس عبادت کے ساتھ اس سے پامردی اور استقامت کی توفیق چاہتا ہے۔

اس طرح سے باپ بھی اور بیٹا بھی اس عظیم آزمائش کے پہلے مرحلے کو مکمل کامیابی کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔

شیطانی وسوسہ

شیطان نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میدان سے کامیاب ہو کر نہ نکلیں، کبھی

---

[1] سورہ صافات آیت 102

[2] سورہ صافات آیت 102

[3] سورہ صافات آیت 102

وہ (اسمٰعیلؑ کی) ماں ہاجرہ کے پاس آیا اور ان سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ آج اپنے بیٹے کو ذبح کر دے۔

ہاجرہؑ نے کہا: دور ہو جا، محال اور نہ ہونے والی بات نہ کر، کیونکہ وہ تو بہت مہربان ہے اپنے بیٹے کو کیسے ذبح کر سکتا ہے؟ اصولاً کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان پیدا ہو سکتا ہے جو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے؟

شیطان نے اپنے وسوسہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا: اس کا دعویٰ ہے کہ خدا نے اسے حکم دیا ہے۔ ہاجرہؑ نے کہا: اگر خدا نے اسے حکم دیا ہے تو پھر اسے اطاعت کرنا چاہیے، اور سوائے رضا و تسلیم کے کوئی دوسری راہ نہیں ہے

پھر شیطان ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں ورغلانے لگا، ان سے بھی اسے کچھ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ اس نے اسماعیل علیہ السلام کو تسلیم و رضا کا پیکر پایا۔

آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے کہا: ابراہیم علیہ السلام: جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ شیطانی خواب ہے، تم شیطان کی اطاعت نہ کرو۔

ابراہیم علیہ السلام نے نور ایمان اور نبوت کے پرتو میں اسے پہچان لیا: چلا کر کہا: ''دور ہو جا اے دشمن خدا۔''

ایک حدیث میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ''مشعر الحرام'' میں آئے تا کہ بیٹے کی قربانی دیں، تو شیطان ان کے پیچھے دوڑا۔ وہ ''جمرہ اولیٰ'' کے پاس آئے شیطان کو دیکھا، اس کو سات پتھر مارے، اس کے بعد وہاں سے جمرہ دوم پر آئے وہاں شیطان کو دیکھا تو دوبارہ سات پتھر اسے مارے یہاں تک کہ ''جمرہ عقبہ'' میں آئے تو سات اور پتھر اسے مارے۔ (اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے سے مایوس کر دیا)۔

میری والدہ کو سلام کہنا

اس دوران کیا کیا حالات پیش آئے، قرآن نے انہیں تشریح کے ساتھ بیان نہیں کیا اور صرف اس عجیب ماجرے کے نہایت حساس پہلو ذکر کئے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ فداکار بیٹے نے اس بنا پر کہ باپ کی اس ماموریت کی انجام دہی میں مدد کرے اور ماں کے رنج واندوہ میں کمی کرے جس وقت وہ اسے سرزمین ''منیٰ'' کے خشک اور جلا ڈالنے والے گرم پہاڑوں کے درمیان، قربان گاہ میں لائے تو باپ سے کہا: ابا جان: رسی کو مضبوطی کے ساتھ باندھ دیجئے، تا کہ میں فرمان خداوندی کے اجراء کے وقت ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سے میرے اجر میں کمی واقع نہ ہو جائے۔

ابا جان: چھری تیز کر لیجیے اور تیزی کے ساتھ میرے گلے پر چلایئے کہ اسے برداشت کرنا مجھ پر بھی (اور آپ پر بھی) زیادہ آسان ہو جائے۔

ابا جان: میرا کرتا پہلے ہی میرے بدن سے اتار لیجئے تا کہ وہ خون آلود نہ ہو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری ماں اسے دیکھے تو دامن صبر اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔

پھر مزید کہا: میرا سلام میری ماں کو پہنچا دیجئے گا اور اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو میرا کرتا اس کے لئے لے جایئے جو اسکی تسلی خاطر اور تسکین کا باعث بنے گا کیونکہ وہ اس سے بیٹے کی خوشبو سونگھے گی اور جس وقت دل بے قرار ہو گا تو اسے اپنی آغوش میں لے لے گی

اس طرح یہ اس کے درد دل میں تخفیف کا باعث ہوگا۔

باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر رونے لگے

آخر وہ حساس لمحے آن پہنچے جب فرمان الٰہی کی تعمیل ہونا تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کے مقام تسلیم کو دیکھا، اسے اپنی آغوش میں لے لیا، اس کے رخساروں کے بوسے لئے اور اس گھڑی دونوں رونے لگے۔ ایسا گریہ تھا کہ ان کے جذبات اور لقائے خدا کے لئے ان کا شوق ظاہر ہوتا تھا۔

قرآن مختصر اور معنی خیز عبارت میں صرف اتنی سی بات کہتا ہے: ''جب دونوں آمادہ و تیار ہو گئے اور (باپ) ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا''۔[1]

قرآن یہاں پھر اختصار کے ساتھ گزر گیا ہے اور سننے والے کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کی موجوں کے ساتھ قصے کو سمجھے۔

بعض نے کہا ہے کہ ''تلہ للجبین'' سے مراد یہ تھی کہ پیشانی خود اس کی فرمائش پر زمین پر رکھی کہ مبادا ان کی نگاہ بیٹے کے چہرے پر پڑے اور پدری جذبات جوش میں آجائیں اور فرمان خدا کے اجراء میں مانع ہو جائیں۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے چہرے کو خاک پر رکھا اور چھری کو حرکت دی اور تیزی اور طاقت کے ساتھ اسے بیٹے کے گلے پر پھیر دیا جب کہ ان کی روح ہیجان میں تھی اور صرف عشق خدا ہی انہیں اپنی راہ میں کسی شک کے بغیر آگے بڑھا رہا تھا۔

لیکن تیز دھار چھری نے بیٹے کے لطیف و نازک گلے پر معمولی سا بھی اثر نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حیرت میں ڈوب گئے، دوبارہ چھری کو چلایا، لیکن پھر بھی وہ کارگر ثابت نہ ہوئی، ہاں: خلیل تو کہتے ہیں کہ ''کاٹ''، لیکن خداوند جلیل یہ حکم دے رہا ہے کہ ''نہ کاٹ'' اور چھری تو صرف اسی کی فرمانبردار ہے۔

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں قرآن ایک مختصر اور معنی خیز جملے کے ساتھ انتظار کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اس وقت ہم نے ندا دی (اور پکار کر کہا) کہ اے ابراہیم: خواب میں جو حکم تمہیں دیا گیا تھا وہ تم نے پورا کر دیا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔''[2]

ہم ہی انہیں امتحان میں کامیابی کی توفیق دیتے ہیں اور ہم ایسا بھی نہیں ہونے دیں گے کہ ان کا فرزند دل بندان کے ہاتھ ہی سے چلا جائے ہاں: جو شخص سرتا پا ہمارے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اس نے نیکی کو اعلیٰ حد تک پہنچا دیا ہے، اس کی اس کے سوا اور کوئی جزا نہیں ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''بے شک یہ اہم اور آشکارا امتحان ہے۔''[3]

بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا، وہ بھی نیک اور لائق بیٹا، اس باپ کے لئے جس نے ایک عمر ایسے فرزند کے انتظار میں گذاری ہو، آسان کام نہیں ہے۔ ایسے فرزند کی یاد کس طرح دل سے نکال سکتا تھا؟ اس سے بھی بالاتر یہ کہ وہ انتہائی تسلیم و رضا کے ساتھ ماتھے پر شکن لائے بغیر ایسے فرمان کی تعمیل کے لئے آگے بڑھے اور اس کے تمام مقدمات کو آخری مرحلے تک انجام دے، اس

---

[1] سورہ صافات آیت 103

[2] سورہ صافات آیت 104

[3] سورہ صافات آیت 106

طور پر کہ روحانی اور عملی آمادگی کے لحاظ سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب، اس فرمان کے آگے اس نوجوان کی اطاعت شعاری کی انتہا، وہ خوشی خوشی، اطمینان قلب کے ساتھ پروردگار کے لطف سے، اس کے ارادے کے سامنے، سر تسلیم خم کرتے ہوئے، ذبح کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔

جبرائیل علیہ السلام کی فریاد تکبیر

جس وقت یہ کام انجام پاچکا تو جبرائیل نے (تعجب کرتے ہوئے) پکار کر کہا ''اللہ اکبر'' ''اللہ اکبر'' ابراہیم علیہ السلام کے فرزند نے کہا: ''لا الہ الا اللہ واللہ اکبر''۔ اور عظیم فدا کار باپ نے بھی کہا ''اللہ اکبر واللہ الحمد''۔

اور یہ ان تکبیروں کے مشابہ ہے جو ہم عید قربان کے دن پڑھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی روایات میں عید الاضحیٰ کے بارے میں جو احکام آئے ہیں ان میں کچھ مخصوص تکبیریں ہیں جو تمام مسلمان پڑھتے ہیں چاہے وہ مراسم حج میں شریک ہوں اور یا منی میں موجود ہوں اور چاہے دوسرے مقامات پر ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ جو منی میں ہیں وہ ان نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں جن سے پہلی عید کے دن کی نماز ظہر ہے اور جو منی میں نہیں ہوتے وہ ان نمازوں کے بعد تکرار کرتے ہیں اور ان تکبیرات کی صورت اس طرح ہے:

''اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد، اللہ اکبر علی ما ھدانا''۔

جس وقت ہم اس حکم کا اس حدیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے ہیں، جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکبیریں حقیقت میں جبرائیل علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تکبیروں کا مجموعہ ہیں، اور کچھ اس پر اضافہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم آزمائش میں کامیابی کی یاد لوگوں کی نظروں میں زندہ کرتے ہیں، اور تمام مسلمانوں کو ایک پیغام الٰہی دیتے ہیں چاہے وہ منیٰ میں ہوں یا منیٰ کے علاوہ دوسرے مقامات پر۔[1]

ذبح عظیم

لیکن اس غرض سے کہ ابراہیم علیہ السلام کا پروگرام بھی نامکمل نہ رہ جائے اور خدا کی بارگاہ میں ان کی طرف سے قربانی بھی ہوجائے اور ابراہیمؑ کی آرزو پوری ہوجائے، خدا نے ایک بہت بڑا مینڈھا بھیج دیا تا کہ بیٹے کی جگہ اس کی قربانی کریں اور مراسم ''حج'' اور سرزمین ''منیٰ'' میں آنے والوں کے لئے اپنی سنت چھوڑ جائیں چنانچہ قرآن کہتا ہے: ''ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا''۔[2]

اس ذبح کی عظمت کی ایک نشانی یہ ہے کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال زیادہ وسعت پا رہی ہے۔

اس وقت ہر سال اس ذبح عظیم کی یاد میں بیس لاکھ سے زیادہ ''منیٰ'' میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور اس یاد کو زندہ کیا جاتا ہے۔

---

[1] سورہ حجر آیت 51

[2] سورہ صافات آیت 107

اس بارے میں کہ اس ذبح کی عظمت کس لحاظ سے تھی، جسمانی اور ظاہری لحاظ سے یا اس جہت سے کہ فرزند ابراہیم کا فدیہ تھی یا اس لحاظ سے کہ خدا کی راہ میں اور خدا کے لئے تھی یا اس لحاظ سے کہ قربانی خدا کی طرف سے ابراہیم کے لئے بھیجی گئی تھی۔

مفسرین نے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا، لیکن کوئی مانع نہیں کہ یہ تمام جہات ذبح عظیم میں جمع ہوں اور وہ مختلف جہات سے عظمت کی حامل ہو۔

وہ بہت بڑا مینڈھا ابراہیمؑ کو کس طرح دیا گیا اس بارے میں زیادہ تر اس بات کے معتقد ہیں کہ اسے جبرائیل لائے تھے، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ''منیٰ'' کے پہاڑوں کے دامن سے نیچے اترا تھا۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا خدا کے حکم اور اس کے ارادے سے تھا، خدا نے نہ صرف اس دن کے عظیم امتحان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامیابی کی تعریف وتوصیف کی بلکہ اس کی یاد کو جاویدانی بنا دیا۔

جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: ''ہم نے ابراہیم کے نیک نام کو بعد کی امتوں میں باقی رہنے والا بنایا۔''[1]

وہ آنے والی سب نسلوں اور لوگوں کے لئے نمونہ اور تمام پاکباز اور کوئے دوست کے دلدادہ عاشقوں کے لئے راہنما بن گئے اور ہم نے ان کے طرز عمل کو رہتی دنیا تک کے لئے حج کی سنت کے طور پر جاویدانی بنا دیا وہ عظیم پیغمبروں کے باپ تھے وہ امت اسلامی اور پیغمبر اسلام کے باپ تھے۔

''ابراہیم پر سلام (جو مخلص اور پاکباز تھے)۔''[2] ہاں ''ہم اسی طرح سے نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔''[3] عظمت دنیا کا صلہ، تمام زمانوں میں باقی رہنے والا صلہ، خدائے بزرگ کے لائق درود وسلام کا صلہ۔

ذبیح اللہ کون ہے؟

اس بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں (اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام) میں سے کون قربان گاہ میں لایا گیا اور کس نے ذبیح اللہ کا لقب پایا؟ مفسرین کے درمیان شدید بحث ہے ایک گروہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ''ذبیح'' جانتا ہے اور ایک جماعت حضرت اسماعیل علیہ السلام، کو پہلے نظریہ کو بہت سے مفسرین اہل سنت اور دوسرے نظریہ کو مفسرین شیعہ نے اختیار کیا ہے، لیکن جو کچھ قرآن کی مختلف آیات کے ظاہر سے ہم آہنگ ہے وہ یہی ہے کہ ''ذبیح'' ''اسماعیل علیہ السلام'' تھے۔

جناب اسحاق علیہ السلام کی بشارت

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ سے شروع کی گئی ہے (وہی فرشتے کہ جو آپ کے پاس انسانی لباس میں آئے تھے پہلے انھوں نے آپ کو ایک ذی وقار بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر قوم لوط کے دردناک انجام کی خبر دی)۔

ارشاد فرمایا: ''میرے بندوں کو ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں خبر دو۔''[4]

یہ بن بلائے مہمان وہی فرشتے تھے جنہوں نے ''ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر پہلے انجانے طور پر اسے سلام کیا۔''[5]

جیسا کہ ایک بزرگوار میزبان کا فریضہ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کی پذیرائی کا اہتمام کیا فوراً ان کے لئے مناسب غذا فراہم کی لیکن جب دسترخوان بچھایا گیا تو انجانے مہمانوں نے غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس پر وحشت

---

[1] سورہ صافات آیت 108

[2] سورہ صافات آیت 109

[3] سورہ صافات آیت 110

[4] سورہ حجر آیت 51

[5] سورہ حجر آیت 52

ہوئی، انھوں نے اپنی پریشانی چھپائی نہیں صراحت سے ان سے کہا: ''ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔''[1]

یہ خوف اس رواج کی بناء پر تھا کہ اس زمانے میں اور بعد میں بھی بلکہ ہمارے زمانے تک بعض قوموں کا معمول ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا نان نمک کھالیتا ہے تو اسے ضرر نہیں پہنچاتا اور اپنے آپ کو اس کا ممنون احسان سمجھتا ہے لہٰذا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے کو برا سمجھتا ہے اور اسے کینہ وعداوت کی دلیل شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پریشانی سے نکال دیا اور ''ان سے کہا: ''ڈرو نہیں ہم تجھے ایک عالم ودانا بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔''[2]

یہ کہ ''غلام علیم'' (صاحب علم لڑکے) سے کون مراد ہے؟ قرآن کی دیگر آیات کو سامنے رکھتے ہوئے واضح ہوجاتا ہے کہ اس سے مراد اسحاق ہیں کیونکہ فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت دی تو ان کی بیوی سارہ جو ظاہراً ایک بانجھ عورت تھی وہ بھی موجود تھی انھوں نے اسے بھی یہ بشارت دی۔[3]

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سارہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ تھیں اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے صاحب اولاد تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے فرزند تھے (حضرت ہاجرہ وہ کنیز تھیں جنھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوجیت کے لئے انتخاب کیا تھا) لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ طبیعی اصولوں کے لحاظ سے ان سے ایسے بیٹے کی پیدائش بہت بعید ہے اگرچہ خدا کی قدرت کاملہ کے لئے کوئی چیز محال نہیں ہے، مگر انھوں نے معمول کے طبیعی قوانین کی طرف توجہ کی جس نے ان کے تعجب کو ابھارا لہٰذا انھوں نے کہا مجھے ایسی بشارت دیتے ہو حالانکہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہوں، واقعاً مجھے کس چیز کی بشارت دے رہے ہو۔[4]

''کیا تمہاری یہ بشارت حکم الٰہی سے ہے یا خود تمہاری طرف سے ہے صراحت سے کہو تا کہ مجھے زیادہ اطمینان ہو''۔

ممکن ہے کہا جائے کہ اس لحاظ سے ابراہیم ایک اچھے تجربے سے گذرے تھے کہ بڑھاپے میں ہی ان کے بیٹے اسماعیل پیدا ہوئے تھے لہٰذا نئے بیٹے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں انہیں تعجب نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن معلوم ہونا چاہئے، کہ بعض مفسرین کے بقول حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی پیدائش میں دس سال سے زیادہ کا فاصلہ تھا لہٰذا بڑھاپے میں دس سال گذر جائیں تو بچے کی پیدائش کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے۔

ثانیاً اگر کوئی واقعہ خلاف معمول ہو اگرچہ استثنائی طور پر ہو، اس سے مشابہ مواقع پر تعجب کرنے سے مانع نہیں ہے۔

کیونکہ ایسے سن وسال میں بچے کی پیدائش بہرحال ایک امر عجیب ہے، کہتے ہیں کہ جناب اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جناب ابرہیم علیہ السلام کی 99 سال کی عمر تھی اور جناب اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے وقت 112 کی عمر ہوچکی تھی۔[5]

بہرحال فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد یا زیادہ تعجب کا موقع نہ دیا، اور ان سے صراحت وقاطعیت سے کہا: ''ہم

---

[1] سورہ حجر آیت 52

[2] سورہ حجر آیت 53

[3] سورہ ہود کی آیہ 71 میں ہے ''اس کی بیوی کھڑی تھی، وہ ہنسی اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی''

[4] سورہ حجر آیت 54

[5] سورہ حجر آیت 55

تجھے حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں۔''[1]

وہ بشارت کہ جو خدا کی طرف سے ہے اور اس کے حکم سے ہے اسی بناء پر یہ حق ہے مسلم ہے۔

اس کے بعد اس لئے کہ مبادا ابراہیم مایوس و ناامید ہوں تاکید کے طور پر کہنے لگے: ''اب جبکہ ایسا ہے تو مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو''۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام نے فوراً ان کے اس خیال کو دور کر دیا کہ یہاں پر مایوسی اور رحمت خدا سے ناامیدی کا غلبہ نہیں ہے اور واضح کیا کہ یہ تو صرف طبیعی معمولات کے حوالے سے تعجب ہے، لہٰذا صراحت سے کہا: ''گمراہوں کے سوا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون مایوس ہوگا۔''[2]

وہی گمراہ کہ جنھوں نے خدا کو اچھی طرح نہیں پہچانا اور اس کی بے پایاں قدرت پر ان کی نگاہ نہیں۔ وہ خدا کہ جو مشت خاک سے ایسا عجیب و غریب انسان پیدا کرتا ہے اور ناچیز نطفہ سے ایک مکمل بچہ وجود میں لاتا ہے خرمے کا خشک درخت جس کے حکم سے پھل سے لد جاتا ہے اور جلانے والی آگ جس کے حکم سے گلزار ہو جاتی ہے، کون شخص ایسے پروردگار کی قدرت میں شک کرے یا اس کی رحمت سے مایوس ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر نو

قرآن کی مختلف آیات، احادیث اور تواریخ اسلامی سے واضح ہوتا ہے خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا کیونکہ سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کی زبانی یوں آیا ہے:

''پروردگار: میں اپنی ذریت میں سے (بعض کو) اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسا رہا ہوں۔''[3]

یہ آیت واضح طور پر گواہی دیتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل اور اپنی زوجہ کے ساتھ سرزمین مکہ میں آئے تو خانہ کعبہ کے آثار موجود تھے۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی ہے:

''پہلا گھر جو عبادت خدا کی خاطر انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ سرزمین مکہ میں تھا''۔[4]

یہ مسلم ہے کہ عبادت خدا اور مرکز عبادت کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے نہیں پڑی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے یہ سلسلہ جاری تھا۔

اتفاقاً قرآن کی تعبیر بھی اس معنی کو تقویت دیتی ہے کہ فرمایا گیا ہے: یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام (جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہو گئے تو) خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کر رہے تھے اور کہتے تھے: ''پروردگارا ہم سے قبول فرما، تو سننے والا اور

---

[1] سورہ حجر آیت 53

[2] سورہ حجر آیت 55

[3] سورہ حجر آیت 53

[4] سورہ آل عمران آیت 96

جاننے والا ہے۔''[1]

آیت کا یہ انداز بتاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیادیں موجود تھیں اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس کے ستون بلند کر رہے تھے۔

نہج البلاغہ کے مشہور خطبہ قاصعہ میں بھی ہے: ''کیا دیکھتے نہیں کہ ہو کہ خدا نے آدم سے لے کر آج تک کچھ پتھروں کے ذریعہ امتحان لیا (وہ پتھر کہ) جنھیں اپنا محترم گھر قرار دیا، پھر آدم اور اولاد آدم کو حکم دیا کہ اس کے گرد طواف کریں''۔

مختصر یہ کہ آیات قرآن اور روایات، تاریخ کی اس مشہور بات کی تائید کرتی ہیں کہ خدا کعبہ پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں بنا۔ پھر طوفان نوح علیہ السلام میں گر گیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انعام میں امامت ملی

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین موڑ یعنی ان کی بڑی بڑی آزمائشوں اور ان میں ان کی کامیابی کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ آزمائشیں جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کی عظمت، مقام اور شخصیت کو مکمل طور پر نکھار دیا اور ان کی شخصیت کی بلندی کو روشن کر دیا، ارشاد ہوتا ہے:

''اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے ابراہیم کو مختلف طریقوں سے آزمایا اور وہ ان آزمائشوں میں اچھی طرح سے کامیاب ہوئے۔''[2]

جب ابراہیم علیہ السلام ان امتحانات میں کامیاب ہو گئے تو وہ منزل آئی کہ خدا انہیں انعام دے، تو فرمایا: ''میں تمہیں لوگوں کا امام، رہبر اور پیشوا قرار دیتا ہوں۔''[3]

''ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ میری ذریت اور خاندان سے بھی آئمہ قرار دے تا کہ یہ رشتہ نبوت و امامت منقطع نہ ہو، اور صرف مجھ سے قائم نہ رہے۔''[4]

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: ''میرا عہدہ یعنی مقام امامت ظالموں تک ہرگز نہیں پہنچے گا۔''[5]

یعنی ہم نے تمہاری درخواست قبول کر لی ہے لیکن تمہاری ذریت میں سے صرف وہ لوگ اس مقام کے لائق ہیں جو پاک اور معصوم ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا کن چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا گیا

آیات قرآن سے اور ابراہیم علیہ السلام کے وہ نظر نواز اعمال جن کی خدا نے تعریف کی ہے، ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلمات (وہ جملے جو خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے) دراصل ذمہ داریوں کا ایک گراں اور مشکل سلسلہ تھا جو خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے ذمہ

---

[1] سورہ بقرہ آیت 127

[2] سورہ بقرہ آیت 124

[3] سورہ بقرہ آیت 124

[4] سورہ بقرہ آیت 124

[5] سورہ بقرہ آیت 124

کیااوراس مخلص پیغمبر نے انہیں بہترین طریقے سے انجام دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں یہ امور شامل تھے:

(1) بیٹے کو قربان گاہ میں لے جانا اور فرمان خدا سے اسے قربان کرنے کے لئے پرعزم آمادگی کا مظاہرہ کرنا۔

(2) اپنی بیویاں اور بیٹے کو مکہ کی خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین میں لے جانا جہاں کوئی انسان نہ بستا تھا۔

(3) بابل کے بت پرستوں کے مقابلے میں قیام کرنا، بتوں کو توڑنا اور اس تاریخی مقدموں میں پیش ہونا اور نتیجتاً آگ میں پھینکا جانا اور ان تمام مراحل میں اطمینان وایمان کا ثبوت دینا۔

(4) بت پرستوں کی سرزمین سے ہجرت کرنا اور اپنی زندگی کے سرمائے کو ٹھوکر مارنا اور دیگر علاقوں میں جا کر پیغام حق سنانا، ایسے اور بھی بہت سے امور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک بہت سخت اور مشکل آزمائش تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام ایمانی قوت کے ذریعہ ان تمام امتحانات میں پورا اترے اور ثابت کیا کہ وہ مقام ''امامت'' کی اہلیت رکھتے تھے۔

امام کسے کہتے ہیں؟

قرآن کریم سے اجمالاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مقام امامت بخشا گیا وہ مقام نبوت ورسالت سے بالاتر تھا۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوند عالم نے نبی بنانے سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو عبد قرار دیا، اور اللہ نے انہیں رسول بنانے سے قبل نبی قرار دیا، اور انہیں خلیل بنانے سے پہلے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور اس سے پہلے کہ امام بناتا انہیں اپنا خلیل بنایا جب یہ تمام مقامات ومناصب انہیں حاصل ہو چکے تو اللہ نے فرمایا: میں تمہیں انسانوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ مقام عظیم دیا تو انہوں نے عرض کیا: خدایا میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے۔ ارشاد ہوا: میرا عہدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا، بے وقوف شخص متقی لوگوں کا امام نہیں ہوسکتا۔''

حضرت لوط علیہ السلام

جناب لوط علیہ السلام خدا کے عظیم پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور جناب ابراہیم علیہ السلام سے قریبی رشتہ داری تھی (کہا جاتا ہے کہ آپ جناب ابراہیم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے)۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام عراق اور سرزمین بابل سے ہجرت کرنے کے بعد شامات کی طرف گئے، کہتے ہیں کہ لوط بھی ان کے ساتھ تھے لیکن کچھ مدت کے بعد (توحید کی طرف دعوت دینے اور فتنہ وفساد سے مبارزہ کے لئے) شہر ''سدوم'' کی طرف گئے۔

''سدوم'' قوم لوط کے ایک شہر اور آبادی کا نام تھا جو شامات (ملک اردن میں) ''بحر المیت'' کے قریب واقع تھا جو آباد اور درختوں اور سبزہ زار سے بھرا تھا، لیکن اس بدکار وبے غیرت قوم پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے کے بعد، ان کے شہر مسمار اور تہ وبالا ہو گئے، چنانچہ انہیں ''مدائن موتفکات''۔ (تہ وبالا ہونے والے شہر) کہتے ہیں۔

بعض کا نظریہ، یہ ہے کہ ان شہروں کے ویرانے زیر آب آ گئے ہیں، اور ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ''بحر المیت'' کے ایک گوشہ میں کچھ ستون اور دوسرے آثار جو ان شہروں کے خرابوں پر دلالت کرتے ہیں دیکھے ہیں۔

جب کہ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ قوم لوط کے شہر زیر آب نہیں آئے، اور اب بھی ''بحر المیت'' کے قریب ایک علاقہ ہے جو سیاہ پتھروں کے نیچے ڈھکا ہوا ہے، احتمال ہے کہ قوم لوط کے شہروں کی جگہ یہیں ہو۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا مرکز شہر ''حبرون'' میں تھا، جو شہر ''سدوم'' سے چنداں دور فاصلہ پر نہیں تھا، اور جس وقت زلزلہ یا صاعقہ کے زیر اثر ان کے شہروں کو آگ لگی تو اس وقت ابراہیم حبرون کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اور شہر سے جو دھواں اٹھ رہا تھا اسے اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔

اس گفتگو کے مجموعہ سے ان شہروں کے قریباً حدود واضح ہو گئے، اگر چہ ان کے جزئیات کے ابھی تک پردہ ابہام میں ہیں۔

قوم لوط کا سب سے بڑا اخلاقی انحراف

قرآن کریم اس عظیم پیغمبر اور ان کی قوم کے واقعہ کو اس طرح شروع کرتا ہے کہ ''لوط کی قوم نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی۔''[1]

''مرسلین'' رسولوں کو جمع کی صورت میں بیان کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہوتی ہے لہٰذا کسی بھی پیغمبر کی تکذیب سب کی تکذیب شمار کی جاتی ہے یا پھر اس لئے ہے کہ وہ گزشتہ کسی بھی پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر فرمایا گیا ہے: میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔

اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو پرہیز گاری اختیار کرو، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، کیونکہ میں راہ سعادت کا رہبر ہوں۔''[2]

''کیا اب تک تم نے مجھ سے کوئی خیانت دیکھی ہے؟ اس کے بعد وحی الٰہی اور تمہارے رب کا پیغام پہنچانے میں بھی یقیناً امانت کو مدنظر رکھوں گا۔''

''یہ نہ سمجھو کہ یہ دعوت الٰہی میرے گزراوقات کا ایک ذریعہ ہے یا کسی مادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایسا کام کر رہا ہوں، نہ، میں تو ذرہ بھر بھی تم سے اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف عالمین کے رب کے پاس ہے۔''[3]

پھر وہ ان کے ناشائستہ اعمال اور ان کی کچھ اخلاقی بے راہ روی کی باتوں کو بیان کرتے ہیں اور چونکہ ان کا بڑا انحراف اور ہم جنس بازی تھا لہٰذا اسی بات پر زیادہ زور دے کر کہتے ہیں: ''آیا تم ساری دنیا میں صرف مردوں کے پاس ہی جاتے ہو''۔[4]

یعنی باوجودیکہ خداوند عالم نے اس قدر جنس مخالف تمہارے لئے خلق فرمائی ہے جن سے صحیح طریقے سے شادی کر کے پاک و پاکیزہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کر سکتے ہوں خدا کی اس پاک اور فطری نعمت کو چھوڑ کر تم نے خود کو اس طرح کے پست اور حیا سوز کام سے آلودہ کر لیا ہے۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 161

[2] سورہ شعراء آیت 162

[3] سورہ شعراء آیت 163

[4] سورہ شعراء آیت 165

''اپنی ازواج کو ترک کر دیتے ہو جنھیں خدا نے تمہارے لئے خلق فرمایا ہے تم تو تجاوز کرنے والی قوم ہو۔''[1]

یقیناً کسی روحانی یا جسمانی فطری ضرورت نے تمہیں اس بے راہ روی پر آمادہ نہیں کیا بلکہ یہ تمہاری سرکشی ہے جس نے تمہارے دامن کو اس شرمناک فعل کی گندگی سے آلودہ کر دیا ہے۔

تمہارے کام کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص خوشبودار میوے، مقوی اور صحیح سالم غذائیں چھوڑ کر زہر آلود اور مار ڈالنے والی غذاؤں کو استعمال کرے یہ فطری خواہش نہیں بلکہ سرکشی ہے۔

جہاں پرعفت ایک عیب ہو

قوم لوط کے افراد جو بادہ شہوت وغرور سے مست ہو چکے تھے، اس رہبر الٰہی کی نصیحتوں کو جان ودل سے قبول کرنے اور خود کو اس دلدل سے باہر نکالنے کی بجائے اس کے مقابلے پر تل گئے اور ان سے کہا: ''اے لوط علیہ السلام کافی ہو چکا ہے، اب خاموش رہو اگر ان باتوں سے باز نہ آئے تو تمہارا شمار بھی اس شہر سے نکال دیئے جانے والوں میں سے ہوگا''۔[2]

تمہاری باتیں ہماری فکر اور آرام میں خلل ڈال رہی ہیں ہم ان باتوں کے سننے کے ہرگز روادار نہیں، اگر تمہاری یہی حالت رہی تو ہم تمہیں سزا دیں گے جو کم از کم جلاوطنی کی صورت میں ہوگی۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے کہ انھوں نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنایا اور حکم دیا کہ لوط علیہ السلام کے خاندان کو شہر سے باہر نکال دو کیونکہ وہ پاک لوگ ہیں اور گناہ نہیں کرتے۔

ان گمراہ اور گناہ سے آلود لوگوں کی جسارت اس حد تک جا پہنچی کہ تقویٰ اور طہارت ان کے درمیان بہت بڑا عیب سمجھا جانے لگا اور ناپاکی اور گناہ سے آلودگی سرمایہ افتخار اور یہ کسی معاشرے کی تباہی کی علامت ہوتی ہے جو تیزی کے ساتھ برائیوں کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فاسق وفاجر گروہ نے ایسے پاک و پاکیزہ لوگوں کو پہلے باہر نکال دیا جو ان کو ان کے بے ہودہ اعمال سے روکا کرتے تھے لہٰذا انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھی یہی دھمکی دی کہ اگر تم نے اپنے اس تبلیغی سلسلے کو جاری رکھا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا۔ بعض تفسیروں میں صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ وہ پاک دامن لوگوں کو بدترین طریقے سے جلاوطن کر دیا کرتے تھے۔

قرآن کہتا ہے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تھا کہ ایک دوسرے سے کہا: ''لوط کے خاندان کو اپنے شہر اور علاقے سے نکال باہر کرو کیونکہ یہ برے پاکباز لوگ ہیں اور یہ اپنے تئیں ہم سے ہم آہنگ نہیں کر سکتے''۔[3]

یہ ایک ایسا جواب ہے جو ان کی فکری پستی اور انتہائی اخلاقی تنزل کا آئینہ دار ہے۔

جی ہاں: مجرم اور گناہ سے آلودہ ماحول میں پاکیزگی ایک جرم وعیب ہوا کرتی ہے یوسفؑ جیسے پاکدامن کو عفت و پارسائی کے جرم میں زندانوں میں ڈالا جاتا ہے جبکہ زلیخائیں اس ماحول میں آزاد اور صاحب جاہ ومقام ہوا کرتی ہیں اور قوم لوط علیہ السلام اپنے اپنے گھروں میں آرام وآسائش کے ساتھ رہتی ہے۔

یہیں پر قرآن مجید کا مصداق واضح ہو جاتا ہے جو وہ گمراہ لوگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ: ہم (ان کے اپنے اعمال کی بنا پر) ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اور ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 166

[2] سورہ شعراء آیت 167

[3] سورہ شعراء آیت 167

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کی دلدل میں اس حد تک پھنس چکے تھے کہ لوط کے خاندان کا تمسخر اڑا کر کہتے تھے کہ وہ ہمیں ناپاک سمجھتے ہیں اور خود بڑے پاکباز بنتے ہیں، یہ کیسا مذاق ہے؟

یہ عجیب بات نہیں تو اور کیا ہے کہ بے حیائی اور بے شرمی کے فعل سے مانوس ہو جانے کی وجہ سے انسان کی حس شناخت ہی یکسر بدل جائے یہ بالکل اس چمڑا رنگنے والے کی مثال ہے جو بدبو سے مانوس ہو چکا تھا اور جب ایک مرتبہ وہ عطاروں کے بازار سے گزر رہا تھا تو عطر کی نامانوس بو کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا، جب اسے حکیم کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ چمڑا رنگنے والوں کے بازار میں لے جایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ہوش میں آ گیا اور مرنے سے بچ گیا یہ واقعاً اس بارے میں ایک دلچسپ حسی مثال ہے۔

30 سال سعی وکوشش

جناب لوط علیہ السلام نے اس قوم کو تیس سال تک تبلیغ کی، لیکن اپنے خاندان کے سوا (اور وہ بھی بیوی کو مستثنیٰ کر کے کیونکہ وہ مشرکین کے ساتھ ہم عقیدہ ہو گئی تھی)، اور کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔

لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا اور کہا: ''میں تمہارے ان کاموں کا دشمن ہوں۔''[1]

یعنی میں اپنا احتجاج برابر جاری رکھوں گا، تم جو کچھ میرا بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو، مجھے راہ خدا اور برائیوں کے خلاف جہاد کے سلسلے میں ان دھمکیوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اس احتجاج میں اور بھی بہت سے لوگ جناب لوط علیہ السلام کے ہمنوا ہو چکے تھے، یہ اور بات ہے کہ سرکش قوم نے آخر کار انہیں جلاوطن کر دیا۔

لائق توجہ بات یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''تمہارے اعمال کا دشمن ہوں'' یعنی مجھے تمہاری ذات سے دشمنی نہیں بلکہ تمہارے شرمناک اعمال سے نفرت ہے اگر ان اعمال کو اپنے سے دور کر دو تو پھر تم میرے پکے دوست بن جاؤ گے۔

بہرحال جناب لوط علیہ السلام کی ذمہ داری کا آخری مرحلہ آن پہنچا لہٰذا وقت آ پہنچا کہ جناب لوط علیہ السلام خود کو بھی اور جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں انہیں بھی اس گناہ آلود علاقے سے باہر نکال کر لے جائیں تا کہ ہولناک عذاب اس بے حیا قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دست دعا بلند کر کے کہا: ''پروردگار: جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں مجھے اور میرے خاندان کو اس سے نجات دے۔''[2]

یہ ہے گناہ گاروں کا انجام

آخر کار حضرت لوط علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا کی طرف سے اس قوم تباہ کار کے خلاف سخت سزا کا حکم صادر ہوا، وہ فرشتے جو عذاب نازل کرنے پر مامور تھے قبل اس کے کہ سرزمین لوط پر اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جاتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

---

[1] سورہ شعراء آیت 167

[2] سورہ شعراء آیت 169

پاس ایک اور پیغام لے کر گئے اور وہ پیغام تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کی پیدائش کی خوشخبری۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابراہیمؑ شام کی طرف جلاوطن ہونے کے بعد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے اور ہر قسم کے شرک و بت پرستی کے خلاف مبارزہ کرنے میں مصروف تھے، حضرت لوط علیہ السلام جو ایک عظیم پیغمبر تھے، ان ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ آپ ہی کی طرف سے مامور ہوئے تھے، کہ گمراہوں کو تبلیغ و ہدایت کرنے کے لئے شام کے ایک علاقہ (یعنی سدوم کے شہروں کی طرف) سفر کریں، وہ ایک ایسی گناہگار قوم کے درمیان آئے جو شرک اور بہت سے گناہوں میں آلودہ تھی، اور سب سے قبیح گناہ اغلام اور لواطت تھی، آخر کار فرشتوں کا ایک گروہ، اس قوم کی ہلاکت پر مامور ہوا لیکن وہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی وضع و قطع سے سمجھ گئے کہ یہ کسی اہم کام کے لئے جارہے ہیں، اور صرف بیٹے کی ولادت کی بشارت کے لئے نہیں آئے، کیونکہ اس قسم کی بشارت کے لئے تو ایک ہی شخص کافی تھا، یہ اس عجلت کی وجہ ہے جو وہ چلنے کے لئے کر رہے تھے، اس سے محسوس کیا کہ کوئی اہم ڈیوٹی رکھتے ہیں۔ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ہے چنانچہ کہا گیا ہے: ''جس وقت ہمارے ایلچی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر گئے۔ انہیں اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی اور پھر (قوم لوط کی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ ہم اس شہر اور اس میں رہنے والوں کو ہلاک کر دیں گے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں''۔ [1]

چونکہ فرشتوں نے ''هذه القرية'' کہا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم لوط اسی مقام کے قرب جوار میں رہتی تھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہتے تھے۔ اور اس قوم کو لفظ ''ظالم'' سے یاد کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے یہاں تک کہ اس طرف سے گزرنے والے مسافروں اور قافلوں پر بھی ستم کرتے تھے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات سنی تو انہیں حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر خدا کی فکر ہوئی اور کہا: ''اس آبادی میں تو لوط بھی ہے''۔ [2]

اس پر کیا گزرے گی؟

مگر فرشتوں نے فوراً جواب دیا: ''آپ فکر نہ کریں ہم ان سب لوگوں سے خوب واقف ہیں جو اس بستی میں رہتے ہیں''۔ [3]

ہم اندھا دھند عذاب نازل نہیں کریں گے ہمارا پروگرام نہایت سنجیدہ اور نپا تلا ہے۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ''ہم لوط علیہ السلام اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے بجز اس کی بیوی کے کہ جو اس قوم کے ساتھ ہی مبتلائے عذاب ہوگی''۔ [4]

صرف ایک خاندان مومن اور پاک

قرآن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے کی تمام آبادیوں اور بستیوں میں صرف ایک ہی خاندان مومن اور پاک نفس

---

[1] سورہ عنکبوت آیت 31

[2] سورہ عنکبوت آیت 32

[3] سورہ عنکبوت آیت 32

[4] سورہ عنکبوت آیت 32

تھا اور خدا نے بھی اسے عذاب سے نجات دی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

''ہم نے وہاں ایک خاندان کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ پایا۔''[1]

یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ بھی مومنین کی صف سے خارج تھی اس لئے وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی۔

وہ عورت جو خانوادہ نبوت میں شامل تھی اسے تو ''مومنین اور مسلمین'' سے جدا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر وہ اپنے کفر و شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اس صنف سے جدا ہوگئی۔

اس طرح کلام سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عورت منحرف العقیدہ تھی کچھ بعید نہیں کہ اس میں یہ بدعقیدگی اس مشرک معاشرے کے اثر سے پیدا ہوگئی ہو اور ابتدا میں مومن و مؤحد ہو اس صورت میں حضرت لوط علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ انھوں نے ایسی مشرکہ سے نکاح ہی کیوں کیا تھا؟

یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور لوگ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لائے ہوں گے تو وہ حتماً نزول عذاب سے پہلے اس گناہ آلود زمین سے ہجرت کر گئے ہوں گے، تنہا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال اس مقام پر اس توقع سے آخری وقت تک ٹھہرے ہوں گے کہ ممکن ہے ان کی تبلیغ اور ڈرانے کا لوگوں پر اثر ہو۔

یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں کی گفتگو ختم ہوگئی اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

''جب ہمارے رسول، لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے پر بہت ہی ناراحت اور پریشان ہوئے، ان کی فکر اور روح مضطرب ہوئی اور غم واندوہ نے انہیں گھیر لیا۔''[2]

اسلامی روایات اور تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے، اچانک انہوں نے خوبصورت نوجوانوں کو دیکھا جو ان کی طرف آرہے تھے وہ ان کے یہاں مہمان ہونا چاہتے تھے، اب حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کی پذیرائی بھی چاہتے تھے لیکن اس حقیقت کی طرف بھی ان کی توجہ تھی کہ ایسے شہر میں جو انحراف جنسی کی آلودگی میں غرق ہے۔

ان خوبصورت نوجوانوں کا آنا طرح طرح کے مسائل کا موجب ہے اور ان کی آبروریزی کا بھی احتمال ہے، اس وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام سخت مشکل سے دوچار ہوگئے یہ مسائل، روح فرسا افکار کی صورت میں ان کے دماغ میں ابھرے اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ سے کہنا شروع کیا: ''آج بہت سخت اور وحشت ناک دن ہے۔''[3]

بہرحال حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے نو وارد مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے، لیکن اس بناء پر کہ وہ غفلت میں نہ رہیں راستے میں چند مرتبہ ان کے گوش گزار کر دیا کہ اس شہر میں شریر اور منحرف لوگ رہتے ہیں تاکہ اگر مہمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو صورت حال کا اندازہ کر لیں۔

خداوند عالم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جب تک یہ پیغمبر تین مرتبہ اس قوم کی برائی اور انحراف کی گواہی نہ دے انہیں عذاب

---

[1] سورہ ذاریات آیت 36

[2] سورہ ہود آیت 77

[3] سورہ ہود آیت 77

نہ دیا جائے (یعنی یہاں تک کہ ایک گنہگار قوم سے متعلق بھی حکم خدا عدالت کے ایک عادلانہ فیصلے کی روشنی میں انجام پائے) اور ان رسولوں نے راستے میں تین مرتبہ لوط علیہ السلام کی گواہی سن لی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو اتنی دیر تک (کھیت میں) ٹھہرائے رکھا کہ رات ہوگئی تا کہ شاید اس طرح اس شریر اور آلودہ قوم کی آنکھ سے بچ کر حفظ آبرو کے ساتھ ان کی پذیرائی کر سکیں لیکن جب انسان کا دشمن خود اس کے گھر کے اندر موجود ہو تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کہ جو ایک بے ایمان عورت تھی اور اس گنہگار قوم کی مدد کرتی تھی جب اسے ان نوجوانوں اور خوبصورت مہمانوں کے آنے کی خبر ہوئی تو چھت پر چڑھ گئی پہلے اس نے تالی بجائی پھر آگ روشن کر کے اس کے دھوئیں کے ذریعے اس نے منحرف قوم کے بعض لوگوں کو آگاہ کیا کہ لقمہ تر جال میں پھنس چکا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام آپ کے گھر میں داخل ہوگئی

شہر والوں کو جب لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے نئے مہمانوں کا پتہ چلا تو وہ ان کے گھر کی طرف چل پڑے، راستے میں وہ ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے تھے۔ گمراہی کی شرمناک وادی میں بھٹکنے والے ان افراد کا خیال تھا کہ گویا نرمال ان کے ہاتھ آ گیا ہے خوبصورت اور خوش رنگ نوجوان اور وہ بھی لوط کے گھر میں۔

قرآن میں اس جگہ اہل مدینہ استعمال ہوا ہے اور یہ کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ کم از کم شہر کے بہت سے لوگ ٹولیوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف چل پڑے، اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک بے شرم، ذلیل اور جسور تھے خصوصا لفظ "یستبشرون" (ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے) ان کی آلودگی کی گہرائی کی حکایت کرتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا شرمناک عمل ہے کہ شاید کسی نے اس کی نظیر جانوروں میں بھی بہت ہی کم دیکھی ہوگی اور یہ عمل اگر کوئی انجام دیتا بھی ہے تو کم از کم چھپ چھپا کر اور احساس شرمندگی کے ساتھ ایسا کرتا ہے لیکن یہ بدکار اور کمینہ صفت قوم کھلم کھلا ایک دوسرے کو مبارکباد دیتی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کا شور وغل سنا تو بہت گھبرائے اور مضطرب ہوئے انہیں اپنے مہمانوں کے بارے میں بہت خوف ہوا کیونکہ ابھی تک وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مہمان مامورین عذاب ہیں اور قادر وقاہر خدا کے فرشتے ہیں لہٰذا وہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ''یہ میرے مہمان ہیں، میری آبرو نہ گنواؤ۔''[1]

یعنی اگر تم خدا، پیغمبر اور جزاء وسزا کے مسئلہ سے صرف نظر کر لو تو بھی کم از کم یہ انسانی مسئلہ ہے اور یہ بات تو سب انسانوں میں چاہے مومن ہوں یا کافر، موجود ہے کہ وہ مہمانوں کا احترام کرتے ہیں تم کیسے انسان ہو کہ اتنی سی بات بھی نہیں مانتے ہو اگر تمہارا کوئی دین نہیں تو کم از کم آزاد انسان تو بنو۔ اس کے بعد آپ نے مزید کہا: ''آؤ خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے شرمسار نہ کرو۔''[2]

لیکن، وہ بہت جسور اور منہ پھٹ تھے بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہوتے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام سے کیسا مطالبہ کیا ہے الٹا اس طرح سے پیش آئے جیسے لوط علیہ السلام سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے انھوں نے زبان اعتراض دراز کی اور کہنے لگے: ''کیا ہم نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ دنیا والوں کو اپنے یہاں مہمان نہ ٹھہرانا اور کسی کو اپنے یہاں نہ آئے دینا۔''[3]

---

[1] سورہ حجر آیت 68

[2] سورہ حجر آیت 69

[3] سورہ حجر آیت 70

تم نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی اور ہمارے کہنے پر عمل کیوں نہ کیا۔

یہ اس بناء پر تھا کہ یہ قوم انتہائی کم ظرف اور کنجوس تھی یہ لوگ ہرگز کسی کو اپنے یہاں مہمان نہیں ٹھہراتے تھے اور اتفاق سے ان کے شہر قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ کام بعض آنے والوں کے ساتھ اس لئے کہ کوئی ان کے یہاں ٹھہرے نہ، آہستہ آہستہ ان کی عادت بن گئی لہٰذا جب حضرت لوط علیہ السلام کو شہر میں کسی مسافر کے آنے کی خبر ہوتی تو اسے اپنے گھر میں دعوت دیتا کہ وہ کہیں ان کے چنگل میں نہ پھنس جائے ان لوگوں کو جب اس کا پتہ چلا تو بہت سیخ پا ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کھل کر کہنے لگے کہ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اب تم کسی مہمان کو اپنے گھر لے جاؤ۔

اے کاش میں تم سے مقابلہ کرسکتا

بہرحال جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی یہ جسارت اور کمینہ پن دیکھا تو انھوں نے ایک طریقہ اختیار کیا تا کہ انہیں خواب غفلت اور انحراف و بے حیائی کی مستی سے بیدار کرسکیں۔ آپ نے کہا: ''تم کیوں انحراف کے راستے پر چلتے ہو اگر تمہارا مقصد جنسی تقاضوں کو پورا کرنا ہے تو جائز اور صحیح طریقے سے شادی کر کے انہیں پورا کیوں نہیں کرتے،، یہ میری بیٹیاں ہیں (تیار ہوں کہ انہیں تمہاری زوجیت میں دے دوں) اگر تم صحیح کام انجام دینا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے۔''[1]

اس میں شک نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی تو چند بیٹیاں تھیں اور ان افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مقصد یہ تھا کہ ان پر اتمام حجت کیا جائے اور کہا جائے کہ میں اپنے مہمانوں کے احترام اور حفاظت اور تمہیں برائی کی دلدل سے نکالنے کے لئے اس حد تک ایثار کے لئے تیار ہوں۔ یہ بات واضح ہے کہ جناب لوط علیہ السلام یونہی اپنی لڑکیوں کا عقد ان مشرکوں اور گمراہوں سے نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ پہلے ایمان لے آؤ تا کہ بعد میں اپنے لڑکیوں کی شادی تم سے کردوں۔

لیکن افسوس شہوت، انحراف اور ہٹ دھرمی کے اس عالم میں ان میں ذرہ بھر بھی انسانی اخلاق اور جذبہ باقی ہوتا تو کم از کم اس امر کے لئے کافی تھا کہ وہ شرمندہ ہوتے اور پلٹ جاتے، مگر نہ صرف یہ کہ وہ شرمندہ نہ ہوئے بلکہ اپنی جسارت میں اور بڑھ گئے اور چاہا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔

وہ قوم حرص اور شوق کے عالم میں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بڑی تیزی سے لوط کی طرف آئی۔

مگر اس تباہ کار قوم نے نبی خدا حضرت لوط علیہ السلام کو بڑی بے شرمی سے جواب دیا: ''تو خود اچھی طرح سے جانتا ہے کہ ہمارا تیری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں، اور یقیناً تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔''[2]

یہ وہ مقام تھا کہ اس بزرگوار پیغمبر نے اپنے آپ کو ایک محاصرے میں گھرا ہوا پایا اور انہوں نے ناراحتی و پریشانی کے عالم میں فریاد کی: ''اے کاش: مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنے مہمانوں کا دفاع کرسکتا اور تم جیسے سرپھروں کی سرکوبی کرسکتا''۔[3]

یا کوئی مستحکم سہارا ہوتا، کوئی قوم و قبیلہ میرے پیروکاروں میں سے ہوتا اور میرے کوئی طاقتور ہم پیمان ہوتے کہ جن کی مدد سے تم منحرف لوگوں کا مقابلہ کرتا۔[4]

---

[1] سورہ حجر آیت 71

[2] سورہ حجر آیت 79

[3] سورہ حجر آیت 80

[4] سورہ حجر آیت 80